(جملہ حقوق محفوظ ہیں)

A/45

خانہ بدوش

تارا چند شرما

قیمت : تین روپے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

خانہ بدوش

تاراچند شرما

S.D. Mirza
Jan. '65.

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

۱. قربانی ۱
۲. جہیز ۲۱
۳. خانہ بدوش ۳۷
۴. ٹانگے والا ۵۱
۵. دوسری شادی ۶۹
۶. عید ۸۳
۷. غریب کی چتا ۹۵
۸. زندگی کے چوراہے پر ۱۰۸
۹. جنازہ ۱۲۰
۱۰. امیدوں کا خون ۱۳۳
۱۱. انسانیت ۱۴۶

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

A/45

۱

قربانی

ملک آزاد ہو چکا تھا۔ آزادی کی صبح غلامی کی ظلمت کو ہمیشہ کیلئے ختم کر کے عوام کو پیغام عمل دے رہی تھی۔ ملک کے عوام کو فرض بآواز بلند تعمیر ملک و قوم کیلئے دعوت دے رہا تھا۔ آزادی سے پیشتر اہالیان وطن کی ذمہ واریاں کم تھیں اُن کی زندگی غیر ملکی حکمران کے رحم و کرم پر تھی۔ لیکن آزادی کے بعد اُس پر اکتفا نہ کیا جاسکتا تھا۔ آزادی کے بعد دیش کے اندر ایک نئی زندگی پیدا کرنا ہر مرد و زن کا فرض اولین تھا۔ اور اس کے لئے ٹھوس اور جامع پروگرام کی ضرورت تھی۔

ملک اور قوم کی بہبودی اور بہتری کو مدنظر رکھتے ہوئے عوامی رہنماؤں کے دماغ کی تخلیق با پنسالہ پلان تھے۔ رہنمایانِ وطن کی یہ تخلیق ملک کو تحیر انگیز ارتقاء کے منازل پار کر کے خوشحالی و فارغ البالی کے خوشنما محل تک لیجانے کی حامل تھی۔ قوم اس کام کیلئے متحد ہو چکی تھی۔ لیکن کچھ لوگ اس نیک کام میں معاونت کے برعکس ملک کو ترقی معکوس کی طرف لیجانا چاہتے تھے۔ یہ خود غرضانہ و تخریبی کارروائیاں ایجی ٹیشنوں۔ عدم تعاون۔ عدم اعتماد۔ خویش پروری۔ کنبہ پروری۔ فرقہ پرستی منافع خوری اور چور بازاری جیسی بدعتوں کی صورت میں نمودار ہو رہی تھیں۔ یہ لوگ باہر سے نہیں لائے گئے تھے۔ غیر ملکی نہ تھے۔ اس ملک کے مساکین اور اسی سرزمین کے نونہال تھے۔ لیکن ان کے دل و دماغ مکدر تھے۔ سالہا سال کی مسلسل غلامی نے ان لوگوں کے دماغوں کو زنگ آلود کر دیا تھا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

رہنمایانِ ملک وقوم کے اندر کچھ ایسا عنصر شامل ہو چکا تھا ۔ جو کم ظرف ۔ کم فہم اور کوتاہ اندیش تھا ۔ اُس کا کام مادی سود مندی و منافرت کو بڑھاوا دینا تھا یہ ملک کی بڑی بھاری بدقسمتی تھی ۔ ورنہ صف اول کے رہنمایانِ ملک اسی رذیل و ذلیل عنصر کو بیک جنبش قلم اقتدار کی زریں نشست سے اتار نیچے پھینک سکتے تھے ۔ مگر انسان غلطی کا پتلا ہے ۔ . . . . یہ لوگ بھی انسان تھے ۔ اور انسانی خامیاں اور غلطیاں اُن کے ساتھ تھیں ۔

عبدل نے ملیچہ ایک طرف کو نہیں رکھ دیا ۔ وہ زونی کی طرف متوجہ ہوا

"آج آپ دیری سے آئے ہیں" زونی نے کروٹ بدلتے ہوئے کہا ۔

"پیاری کیا کروں ایک طرف تیری بیماری پریشان کر رہی ہے ۔ دوسری طرف نہر کی تعمیر میں تساہل روزنما ہو رہا ہے ۔"

"تو کیا آپ کے بغیر نہر کی تعمیر رک جاویگی ؟ زونی نے ذرا ترش لہجہ میں کہا "نہیں ہرگز نہیں ہو سکتا لیکن ہر ایک انسان کا تعمیر ملک میں حصہ لینا ازبس ضروری ہے ۔

"نہر پر مزدور کس قدر کام کر رہے ہیں ؟

"ہونگے کوئی دو ہزار کے قریب ۔"

"اگر آپ چند دن کے لئے کام پر نہ جائینگے تو کیا ہو جاوے گا ؟

"کام لمبا ہو جاوے گا ۔ موسم سرما شروع ہو جاوے گا ۔ برف کی وجہ سے کام بند ہو جاوے گا"۔

"اور لوگ تو ہیں"

"لیکن ہر ایک کی ذاتی مجبوریاں ہیں ۔ ایک دوسرے کو دیکھکر کام میں باقاعدگی سے کام نہیں لے گا ۔ ایک ایک کر کے سبھی لوگ اپنی مجبوریوں کے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

پیش نظر کام پر جانا بند کر دینگے۔ پھر جانتی ہو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟
'کیا ہوگا؟' زونی نے جھنجھلاہٹ کے لہجہ میں کہا۔
'نہر بننے سے رہ جائیگی۔ وقت پر سینچائی نہ ہوگی۔ فصل کی بیجائی نہ ہوگی۔ فصل کم ہونے سے علاقہ کو قحط۔ تنگدستی۔ بدحالی اور پریشانی سے دوچار ہونا پڑیگا۔ غریب عوام اناج کو ترسینگے۔ حکومت کے لئے مشکل پیدا ہو جائیگی۔ تعمیری کام التوا میں پڑ جائینگے۔'

زونی نے عبدل کی اس تنقید پر بیدلی کے ساتھ کروٹ بدلی۔ وہ کئی دنوں سے بستر علالت پر پڑی تھی۔ مٹی کے چراغ کی مدھم روشنی میں اس کا زرد چہرہ اور زیادہ زرد دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے سر کے بال کئی دنوں سے تیل سے نا آشنا تھے۔ گالوں کی ہڈیاں اُبھر آئی تھیں۔ آنکھیں کمزوری و نقاہت کی وجہ سے اندر دھنستی جا رہی تھیں۔ وہ صرف اس اُمید کے سہارے جی رہی تھی کہ عبدل نہر کی تعمیر کے کام سے فارغ ہوکر اُسے گاؤں سے شہر لے جائیگا۔ اور علاج کروائیگا یہ قوت ارادی ہی تھی جو اس کی زندگی کو نبھا کر رہی تھی۔ ورنہ اُس کا نورانی چہرہ مرجھائے چہرے سے بھی زیادہ ڈراونا ہو چکا تھا۔

زونی کئی دنوں سے بیمار تھی۔ اُسے شروع سے ہی کوئی ڈاکٹری امداد بہم پہنچائی نہ گئی تھی۔ گھر میں سوائے عبدل کے دوسرا کوئی نہ تھا۔ جو اس کی خبرگیری و دلجوئی کرتا۔ عبدل ہر روز صبح مزدوروں کے ساتھ نہر کی کھدائی پر چلا جاتا تھا۔ اُسے زونی کی نسبت کہیں نہر کی تعمیر کا زیادہ فکر تھا۔ نہر کے بن جانے سے وہ سمجھتا تھا کہ ہزاروں زمینوں کی جانیں بچ جائینگی۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اس کے دماغ میں یہی ایک خبط سمایا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ بیمار زونی کی ہر کڑوی بات کو خندہ پیشانی سے سن کر خاموش ہو جاتا تھا۔

شام کو عبدل گھر آیا۔ اس نے دیکھا کہ زونی غنودگی کے عالم میں ہے۔ جلدی سے اٹھ کر باورچی خانہ میں چلا گیا۔ برتنوں کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ سب خالی تھے۔ ایک ہانڈی میں تھوڑے سے چاول تھے۔ ان کو ابالنا شروع کیا۔ اسے ایک ہفتہ سے یومیہ نہیں ملا تھا۔ ٹھیکیدار ٹھیک برآمد کروانے شہر گیا تھا۔ بنئے نے ادھار دینے سے انکار کر دیا تھا۔ روز کے روز کے تقاضوں سے وہ بھی تنگ آ چکا تھا۔ عبدل کی التجائیں اس پر اثر انداز نہ ہوتی تھیں۔ عبدل کو اپنی اتنی فکر نہ تھی۔ اسے فکر تھی تو زونی کی۔ چاول تو تیار ہو گئے تھے۔ لیکن زونی کے لئے ان خشک چاولوں کو حلق کے نیچے اتارنا مشکل تھا۔ اس قدر بے بسی کی حالت کا احساس کرتے ہوئے عبدل کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

عبدل نے چاول تھالی میں پروس دئے۔ تھالی اس کے پاس لے جا کر کھانے کو کہا۔ زونی نے نیم وا آنکھوں سے پہلے عبدل کی طرف دیکھا اور پھر تھالی میں پڑے ہوئے چاولوں کی طرف دیکھا۔ ان آنکھوں میں ایک آرزو تھی ایک التجا تھی۔ ایک جھلک تھی۔ ایک پراسرار احساس تھا۔ جس کو حس رکھنے والا دل ہی محسوس کر سکتا تھا۔ وہ مجسمہ حسرت بنی ٹکٹکی لگا کر چاولوں کو دیکھتی ہی رہی

عبدل کو زونی کی اس بے بسی کا احساس تو ہوا۔ لیکن اس کے پاس سوائے گرم گرم آنسوؤں کے تھا ہی کیا۔ بمشکل نکلی ایک گہری سرد آہ۔ عبدل کی آواز گلوگیر تھی۔ وہ جانتا تھا کہ زونی کی بیماری انتہائی خطرناک صورت اختیار کر چکی ہے۔ وہ حد درجہ کمزور ہو چکی ہے اور وہ شخص

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بردباری سے کام لے کر زندگی کے سانسوں کو لمبا کر رہی ہے۔

جبر و قناعت کی بھی حد ہوتی ہے۔ عبدل کو اپنی دنیا آنکھوں کے سامنے اُجڑتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی وہ بھی مجبور و لاچار تھا۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ ملک صدیوں غلامی کی دلدل میں پھنسا ہوا تھا۔ غیر ملکی حکمران محکوم کی بہتری و بہبودی کی طرف اتنی توجہ نہ دیتے رہے۔ اور اب جبکہ ملک آزاد ہو کر تعمیر نو میں مصروف تھا۔ ذاتیات میں اُلجھنا ایک احمقانہ حرکت تھی۔ دوسرے لمحہ اُسے پھر زونی کا خیال آتا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر زونی کو کچھ ہو گیا تو . . . . . .

عبدل گو ایک کم مایہ مزدور تھا۔ ان پڑھ تھا۔ سادہ لوح تھا۔ مفلوک الحال تھا . . . . . لیکن خدا نے اُسے تیز ذہانت سے نوازا تھا۔ پھر اُسے ان ہزارہا خواتین ملک کا خیال آتا۔ جنہوں نے اپنی قیمتی جانیں حصول آزادی کی خاطر نچھاور کر دیں۔ تختہ دار کو ہنسی خوشی بوسہ دیا۔ دشمن کی بندوقوں کی گولیوں کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا۔ دنیاوی آرام و آسایش کو خیرباد کہہ کر زندان کے آہنی دروازوں و تنگ و تاریک کوٹھریوں کو اپنا مونس و ہمدم بنایا۔ تو کیا آزادی کی دیوی کی احیاء کے لئے ایک زونی . . . .

پھر اُس کے خیالات کا تانتا ٹوٹ جاتا۔ اُس کا جسم تھرا اُٹھتا۔ اُس کی آنکھیں پتھرا جاتیں۔ دل زور زور سے دھڑکنے لگتا۔ اور وہ گہری سوچ میں مستغرق ہو جاتا۔

دفعتاً وہ اس خواب سے جاگا۔ چاول کی تھالی زونی کی طرف بڑھائی۔ چاولوں کے ساتھ ایک طرف نمک رکھا تھا۔ یہی نمک سالن کا کام دیتا تھا۔ زونی نے ایک گہری آہ کھینچی۔ اُس نے مایوسیانہ انداز میں تھالی اور اس میں پڑے ہوئے چاولوں کی طرف دیکھا۔ وہ غم کی اتھاہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ چہرہ پر کے شکن اس بات کے شاہد تھے۔ کہ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی۔ لیکن وہ کسی اندرونی تکلیف کی وجہ سے نہ بول سکی تھی۔ یہ تکلیف آنسووں کی شکل میں پھوٹ نکلی اور وہ منہ سے کچھ بول نہ سکی۔

عبدل نے متحیر ہوکر زونی کی اشک آلودہ آنکھوں میں کچھ دیکھنے کی کوشش کی وہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی زونی سے اشک ریزی کا سبب پوچھنے لگا۔ "آپ کو میرے ساتھ کیا سروکار ہے؟" زونی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "اور پھر ....

"آپ کا پانچسالہ پلان مکمل ہونا چاہئے۔ میں جاؤں بھاڑ میں"

"نہیں ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔ میں اتنا خود غرض نہیں۔ احمق نہیں۔ وحشی نہیں۔ جو جان بوجھ کر تمہارے جان کے درپے ہوؤں"

"آخر اس عدم توجہی کی وجہ بھی تو ہے"

"عدم توجہی نہیں۔ صرف ایک ماہ باقی ہے۔ اس عرصہ میں نہر مکمل ہوجائیگی۔ میں تمہیں شہر میں لے جاونگا۔ اچھے سے ڈاکٹر کو دکھاؤں گا۔ ملک کی تعمیر میں قومی رہنماؤں کی معاونت ہر ایک شہری کا فرض ہے۔ ورنہ نہتے ہاتھوں وہ کچھ کرنے سے قاصر ہیں۔

"تمہارے اندر اس قدر عقیدت ہے۔ اپنے لیڈروں کیلئے۔ تمہارے اندر اس قدر جذبہ قربانی ہے۔ تو ملک میں کئی ایسی بدعتیں ہیں۔ جو ملک کی ترقی کی راہ میں حائل ہیں۔ ان کو دور کرو"

"ہاں! ہاں!! کہئے؟"

"پرسوں حمید آیا تھا۔ خیروعافیت کے بعد نہر کی تعمیر کے متعلق سلسلہ گفتگو چھڑ گیا تھا۔ کہہ رہا تھا۔ کہ ٹھیکیداران محکمہ پی۔ ڈبلیو۔ ڈی کی چشم پوشی و اعانت کے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بل بوتہ پر سمینٹ اور لوہا بلیک مارکیٹ میں بیچ رہے ہیں ۔ ہنر کی تعمیر میں ناقص مصالحہ استعمال ہو رہا ہے ۔ کام کی رفتار انتہائی سست ہے معمولی سے معمولی ملازم محکمہ بھی شہزادہ بنا پھر تا ہے ۔ ان کا پہناوا ۔ ان کی خوراک ۔ ان کے عیال و اطفال کی ٹھاٹ ۔ کاریں ۔ موٹر سائیکل ۔ ہوٹلوں کے بل ۔ و دیگر سامان عیش و عشرت کہاں سے آتا ہے ۔ ان لوگوں کی تنخواہوں کی طرف دیکھا جاوے ۔ تو ان کے ایک دن کے مصارف کو پورا نہیں کر سکتیں ۔ ہنر پہ لگنے والا روپیہ گویا ہو رہا ہے ۔ مصالحہ کم ..... افسروں کی کمیشن پھر ٹھیکیدار کی ملی بھگت ۔ کتنی پختگی و پائیداری ہوگی اس ہنر میں ...... اور تم ۔ ہو کہ میری بیماری کا فکر نہیں ۔ اپنا فکر نہیں ۔ اتنی کاوشوں کے باوجود دو وقت کا کھانا میسر نہیں ہو رہا ہے ۔ باوجود اس کے ہم رہنمایان وطن کی تعریف میں دن رات لگے رہتے ہو ۔ کبھی پوچھا ہے ۔ ان لوگوں سے کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے ۔ کیا رشوت کو روکنا ان کے بس کا روگ نہیں ہے ؟ ہے لیکن یہ چشم پوشی حالات کو مشکوک بنا دیتی ہے ۔ تم کام کرتے ہو ۔ امیروں کو اور امیر بنانے کیلئے ۔

عبدل اول تو سکتہ کے عالم میں چلا گیا ۔ چند لمحے بعد سنبھلا اور بولا کہ رونی تیرا یہ کہنا بالکل درست ہے " ۔ ترقی کے کاموں میں انتہائی بد دیانتی سے کام لیا جا رہا ہے ۔ لیکن پھر بھی پچھلے دس سالوں میں ملک کے اندر خاطر خواہ ترقی ہوئی ہے ۔ جو اینٹ آج رکھی جا رہی ہے ۔ یہ ترقی کی شاہراہ پر ایک نئی اینٹ ہے ۔ آخر یہ شاہراہ ایک دن مکمل ہو کر رہے گی ۔ اس وقت معلوم ہوگا ۔ کہ یہ تعمیریں ملکی تعمیر میں کتنی اہمیت رکھتی ہیں ۔ ملک میں خود غرض عناصر کی کمی نہیں ہے ۔ نہ کبھی ہوگی ۔ لیکن ناخدایان قوم کی نیک

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

خواہشات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے قوم کے ہر فرد کا تعاون واستعانت ضروری ہے۔ اس وقت ارباب اختیار کو لاقانونی سے ہی قانون کی تخلیق کرنا ہے۔ بددیانتی کو دیانت داری میں بدلنا ہے۔ کاہل الوجود انسانوں کو چست وچالاک بنا کر تعمیر نو کیلئے راضی کرنا ہے۔ یہ لوگ جو لہو ولعب کی زندگی بسر کرنے کی خاطر تعمیر نو کے کاموں میں ناقص مصالحہ استعمال کرکے روپیہ اینٹھ رہے ہیں۔ مہذب دنیا کے سٹہ باز ہیں۔ یہ لوگ کم تعداد میں ہیں۔ یہ لوگ اپنے آپ کو اجنبی سمجھتے ہیں۔ ملک سے ان کو سوائے روپیہ کمانے کے کوئی سروکار نہیں ہے۔ یہ لوگ اس ملک کے عوام کو نگاہ حقارت سے دیکھتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو اس غلط طریق کار کے بھیانک نتائج سے بالکل بے تعلق سمجھتے ہیں۔ لیکن یاد رکھو ان لوگوں کی عافیت کسی بھی لمحہ خطرے میں پڑ سکتی ہے۔

تو پھر حکومت ایسے عنصر کا قلع قمع کیوں نہیں کر دیتی"؟

"ہماری تو بھولی ہے۔ یہ لوگ ٹیکنیکل ہیں۔ انجینئر ہیں۔ اوورسیر ہیں۔ دیگر ماہرین۔ خصوصی ہیں۔ اگر حکومت ان کو اندھا دھند نکالنا شروع کر دے تو سب کام ٹھپ سے رہ جائیگا۔ اس لئے حکومت کو طوعاً وکرہاً ان لوگوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے"۔

پرانی عمارتیں۔ نہریں۔ سڑکیں بھی تو بنی ہیں۔ جو سالہا سال سے حوادث زمانہ کا مقابلہ کرتے ہوئے۔ ہمالیہ سے بھی زیادہ مضبوط کھڑی ہیں کیا وہ سب انگریز انجینئر تھے۔؟ روفی نے ترش روئی سے کہا۔

عبدل حیران تھا۔ کہ آج روفی کو کیا ہو گیا ہے۔ وہ ایسی چپقلش سے کبھی دوچار نہ ہوا تھا۔ اس کا یہ سوال دور رس نتائج کا حامل تھا۔ وہ ایک عالم سے بھی زیادہ دماغی سوجھ بوجھ کا ثبوت دے رہی تھی۔ اس کی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہر بات میں کچھ باغیانہ جذبات کا احساس تھا ۔ عبدل مصلحتاً کمرہ سے باہر چلا گیا ۔ کچھ دیر بعد وہ کھانستا ہوا اندر داخل ہوا ۔ اور زونی کو کھانا کھانے کیلئے کہا کیونکہ اسے کام پر جانے کے لئے دیر ہو رہی تھی ۔

زونی نے بادلِ ناخواستہ چاول کی تھالی کھینچ لی ۔ چاول ٹھنڈے ہو چکے تھے ۔ ان کا حلق کے نیچے اتارنا ایک حل طلب مسئلہ تھا ۔ جب لقمہ حلق سے نیچے اترنے سے باز دکھائی دیتا ۔ تو زونی پانی کا گھونٹ پی کر اسے نیچے دھکیل دیتی ۔ لیکن اس سے اُسے کافی دقت ہوتی تھی ۔ چند لقمے حلق سے نیچے اتارنے کے بعد اُس نے تھالی کو ایک طرف دھکیل دیا اور بستر پہ دراز ہو گئی ۔

عبدل نے بھی روکھے چاول کھائے ۔ کام کی گھنٹی بج رہی تھی ۔ اس نے بیلچہ اٹھایا ۔ کنکھیوں سے زونی کے پژمردہ چہرہ پر اچٹتی سی نظر ڈالی پھر نہر کی کھدائی کے لئے روانہ ہو گیا ۔

" عبدل تم روز دیر سے آتے ہو " میٹ نے شیر کی طرح گرجتے ہوئے کہا عبدل نے عاجز صورت بنائی ۔ ٹھنڈی سانس کھینچی اور کام پر لگ گیا ۔

زونی کے دل میں آج ایک طوفان اُبھر چکا تھا ۔ وہ مٹھیاں بھینچتی ۔ آنکھیں کھولنے کی کوشش کرتی ۔ اپنی گم شدہ یادداشت کا ایک قیاسی خاکہ دماغ کے اندر گھماتی ۔ وہ تین ماہ سے اس کمرہ میں بستر علالت پر مقید پڑی تھی ۔ وہ صبح شام کی خوشبو سے معطر ہوا سے بھی محروم ہو چکی تھی ۔ تین ماہ پہلے کے قصے اور نظارے اس کی آنکھوں کے سامنے سینما کی سکرین کی طرح ایک ایک کر کے آتے تھے ۔

وہ اس کو شہر لے جائیگا ۔ کسی اچھے سے ہسپتال میں اس کا معائنہ ہو گا دوائی ہو گی ۔ وہ بھلی چنگی ہو جائیگی ۔ وہ عبدل کے ساتھ شہر کی رنگینیوں کا حظ اٹھائیگی ۔ اور پھر خوش خرم گاؤں کو لوٹیگی ۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

زونی دن بدن نحیف و نزار ہو رہی تھی ۔ اس کی رہی سہی سکت بھی سلب ہو رہی تھی ۔ اس کی زبان میں لکنت آ رہی تھی ۔ آنکھوں کے گرد گڑھے پڑ گئے تھے ۔ زندگی کی امید ناامیدی میں بدل رہی تھی ۔ موت تیزی کے ساتھ تعاقب میں دکھائی دے رہی تھی ۔ اس کے خوشنما چہرہ پہ مایوسی چھا رہی تھی ۔ یہاں تک کہ اس کی آواز بھی حلق میں ہی گردش کر کے بسا اوقات گم ہو جاتی تھی ۔ اس سے دیکھ کر بجائے جسم انسانی کے مومی مجسمہ کا شک گذرتا تھا ۔ ایسا مجسمہ جو تمام خدوخال انسانی کے ہوتے ہوئے قوت ناطقہ سے محروم ہو ۔ اس کی آنکھوں کی پتلیاں بھی جنبش کرنے سے قاصر دکھائی دیتی تھی ۔ عبدل یہ حالت دیکھکر سراسیمگی کے حالت میں چلا جاتا تھا ۔ وہ آنے والے خطرہ سے باخبر ہو جاتا ۔ اس کا دل یہ خیال آتے ہی ہزاروں من بوجھ تلے دب جاتا ۔ اس کو دنیا کی بے مروتی کا خیال آجاتا ۔ اور اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا ۔ اس کے جسم میں کپکپی چھا جاتی ۔ جب اُسے اس وسیع دنیا میں اکیلے پن کا احساس ہوتا ۔ وہ ایک واحد جان تھا ۔ اس نے زندگی کے پچھلے دس سال زونی کی رفاقت میں گزارے تھے ۔ یہ دس سال اُسے ایک لمحہ میں بدلتے نظر آئے ۔ وہ دل ہی دل میں خدا سے زونی کی صحت یابی کیلئے دُعائیں کرتا تھا . . . . پھر وہ مایوس انداز میں بیمار زونی کی طرف دیکھتا ۔

تنہائی میں زونی کے دماغ میں سارا دن ماضی و مستقبل کے مختلف نقشے گھومتے تھے ۔ یہ نظارے ایک ایک کر کے اس کے دماغ میں منعکس ہوتے اور ناپید ہو جاتے ۔ کاریں ۔ پھر کاروں کی تیز روشنی چہرہ کن بتیاں ان میں بیٹھے ہوئے خدا کے پیارے انسان ۔ ان کے اندر بیٹھی ہوئی نازنین جن کے چہرے دور زمانہ سے بے خبر ہشاش بشاش تھے ۔ وہ اس کی اپنی بہنیں تھیں ۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

لیکن اسکی قسمت میں جوانی کے اندر بڑھاپا اوران کی قسمت میں بڑھاپا میں بھی رعنائی لکھی تھی ۔ ان کے خدوخال بڑھاپے میں بھی جوانی کی چکناہٹ کے حامل تھی ۔ ان کا رومان ہر طلوع ہونے والے آفتاب کیلئے تازہ اور نیا تھا ۔

دوسری طرف تھے خدا کے ننگ دھڑنگ ملعون وملوث انسان جو فکر معاش میں کندھوں پر رسیاں اور بوسیدہ بوریوں کے چیتھڑے لئے ہوئے بازاروں اور گلیوں میں گھومتے اور پھرتے تھے ۔ ان کے اجسام برہنہ تھے ۔ دھوپ میں پھرنے کی وجہ سے ان کے رنگ سیاہ فام ہو گئے تھے ۔ پاؤں کی ایڑیاں بے آب کھیتی کی طرح پھوٹ گئی تھیں ۔ اوران سے خون رس رہا تھا ۔ سر کے بال تیل کی چکناہٹ سے بے بہرہ تھے ۔ ان کی حرکات وسکنات سے ایسا معلوم ہوتا تھا ۔ کہ یہ تمام انسانی غول ذہنی اختلال کا شکار تھے ۔ ان کا رومان نان شبینہ کا میسر آنا تھا ۔ ان کے چہرے بجائے قدرت کی شگفتگی کے پرخم و پرشکن تھے ۔ ان کی جوانی ان کے چہروں کے شکنوں کے اندر غائب تھی ۔ ان کی حالت سراسر مخدوش تھی ۔ اور لہجے متفکرانہ .... پھر تھا ان لوگوں کا وحشیانہ الجھاؤ ۔ کسی بابو کے اٹیچی کیس کو منزل مقصود تک لے جانے کیلئے ۔

پھر وہ دماغ کے سکرین پر اپنی ابھرتی ہوئی جوانی کا سنہرا خواب دیکھتی ۔ اسکی آنکھوں میں کیسی پراسرار روشنی عود کر آئی تھی ۔ اس کی چھاتی کا ابھار کیسا دلکش نظر آتا تھا ۔ اس کا سڈول ۔ شفاف اور نازک جسم اور گندمی رنگ ۔ وہ اپنے چہرہ کو شیشہ میں منعکس دیکھ کر قادر مطلق کی سحر نگاری پر متحیر ہو جاتی تھی ۔ اس کا سر فخر سے لمحہ اونچا اٹھ جاتا تھا ۔

وہ گاؤں کے نوجوانوں کیلئے ایک آفت تھی ۔ گاؤں کے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

خوشحال نوجوان اس سے شادی کے متمنی تھے ۔ لیکن وہ ان کی پیش کشوں کو لاپرواہی کے ساتھ ٹھکرا دیتی تھی ۔ وہ ایک شریف زادی تھی ۔ اور شریف ہی رہنا چاہتی تھی ۔ وہ مردوں کو دغاباز ۔ ہوس پرست ۔ اور خود غرض سمجھتی تھی ۔ اس کی کئی ہمجولی لڑکیاں بیاہی گئیں ۔ لیکن وہ شادی کو غلامی سے بھی بدتر سمجھتی تھی ۔ وہ یہ بھی خوب جانتی تھی ۔ کہ ایک نوجوان لڑکی کو سوائے شادی کے چارہ بھی نہیں ہے ۔ آخر وہ وقت بھی آیا جب نزدیک گاؤں سے دو چار اشخاص اس کے والد کے پاس آئے ۔ ایک طرف بیٹھ کر انہوں نے کچھ باتیں کیں ۔ وہ باوجود کوشش کرنے کے کچھ سن نہ سکی ۔ لیکن نتیجہ اس کے سامنے آیا ۔ اس کی نسبت ہوگئی ۔ وہ کچھ کہنے کے لئے بیقرار تھی ۔ لیکن سماج و خاندانی روایات راستہ میں حائل تھیں ۔ اسے ایک خاموش بھیڑ کی طرح والدین کی رضا کو اپنی رضا تسلیم کرنا پڑا ۔

کچھ دنوں بعد اس کی شادی ہوئی ۔ عبدل گو ایک غریب و بے بس ولاچار مزدور تھا ۔ لیکن حب والوطنی کا مادہ اسکے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا تھا ۔ اسے صبح صادق ہونے سے پیشتر ہی اپنی خوابگاہ سے نکلنا پڑتا تھا ازدواجی زندگی کا حظ ان کے نصیب میں کہاں تھا ۔ مشکل سے ایک ہفتہ آرام سے گذرا وہ بھی بلنے کی نظر عاطفت کے طفیل .... امرا کی دنیا الگ ہے ۔ ان کیلئے شادی نئی امنگوں اور نئی خواہشوں کو پیامبر ہے ۔ لیکن غرباء کیلئے شادی بھی وبال جان ہے ۔ اور تکلیفات میں یک گونہ اضافہ ہے ۔ ان کے لئے شادی مصائب کا بظاہر خوشگوار گہوارہ ہے ۔

زونی انہی خیالات میں غلطاں و پیچاں تھی ۔ کہ عبدل بیلچہ لئے اندر داخل ہوا ۔ اس کی تمام قمیض پسینہ میں شرابور تھی ۔ جہاں تک کہ پسینہ کی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ایک تہ جم جانے سے اس کا اصلی رنگ ناپید ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کے بالوں میں مٹی بھری تھی۔ ننگی ٹانگوں پر جا بجا میل کے دھبے گوشت پوست کا حصہ بن کر رہ گئے تھے۔ دانتوں کو کئی دنوں سے منجن یا داتن نصیب نہ ہوئی تھی جس کے نتیجہ کے طور پر دانتوں کی قدرتی سفیدی زردی کے نیچے دب کر رہ گئی تھی۔

"آگئے آپ" روپی نے غصیلی آواز میں پوچھا۔ اس آواز میں قلق بھی تھا۔ عبدل بھانپ گیا۔ کہ وہ اس وقت غصہ میں ہے۔ وہ جانتا تھا۔ کہ ایک بیماری اور دوسری مسلسل تنہائی اس کے مزاج کو چڑچڑا بنا رہے ہیں۔ وہ کچھ کہے بغیر آنکھیں نیچی کئے باورچی خانہ کی طرف چلا گیا۔

آج باورچی خانہ میں اناج کا دانہ نہ تھا۔ ٹھیکیدار نے ادائیگی نہ کی تھی۔ عبدل نے خالی برتنوں کو الٹ کر دیکھا۔ ان میں سوائے مایوسی کے کچھ نہ تھا۔ آخر بادل ناخواستہ بنیئے کی دوکان کا رخ کیا۔

"لالہ جی ایک سیر چاول دے دیجئے۔ کل پیسے مل جائینگے۔"

"تمہارا کل کب آوے گا؟ بنیئے نے ترش روئی سے کہا۔

عبدل نے کافی عاجزی ظاہر کی منتیں کیں۔ بنیئے کے پاؤں چھوئے روپی کی بیماری کا حوالہ دیا۔ آنکھوں میں آنسوں بھر لایا۔ پھر کہیں عبدل بنیئے سے ایک سیر چاول حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ وہ فاتحانہ انداز میں خوشی اور غمی کے ملے جلے جذبات لئے گھر کی طرف بڑھا۔

ادھر روپی منتظر نگاہوں سے عبدل کی راہ باٹ رہی تھی۔ وہ اس کی مجبوریوں کو جانتی تھی۔ وہ اس پر کئی ناراضگی کا اظہار کرتی لیکن پھر وہ سارا سارا دن اور رات اپنے آپ کو لعنت وملامت کرتی۔ جب روپی نے عبدل کو دروازہ کے اندر داخل ہوتے دیکھا تو اس نے کچھ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

مسکرانے کی کوشش کی۔ مگر اُس میں اب مسکرانے کی ہمت نہ تھی۔ اس کی مسکراہٹ اور رونا ایک ہی جذبہ کی عکاسی کرتے تھے۔

"اب نہر کو مکمل ہونے میں کتنے دِن لگیں گے"؟

"بس پندرہ دِن"۔

"آپ کہتے تھے۔ کہ نہر پانچ سال میں مکمل ہو جاوٴگی۔ لیکن اب تو اس کو چھ سال سے زائد کا عرصہ ہو گیا۔ اور اب تک مکمل ہونے میں نہیں آ رہی ہے۔

"اس تاخیر کی کئی ایک وجوہات ہیں۔ لیکن اب کام سرعت و باقاعدگی کے ساتھ چل رہا ہے۔

"پہلے کیا ہو رہا تھا۔"؟

"ایڈمنسٹریشن میں تساہل اور بددیانتی"۔

"کیا بددیانت عنصر کی بیخ کنی نہیں ہو سکتی"؟

"پیاری یہ مسئلے نہایت دقیق ہیں۔ ان کا تعلق براہ راست حکومت سے ہے"۔

"نہیں تو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

"ایسے عنصر کا وجود ملک کیلئے زحمت ہے۔ ایسے عنصر کو جو ترقی کے کاموں میں بددیانتی سے کام لے ہرگز برداشت نہیں کرنا چاہیئے۔ ملک کی تعمیر ایک مقدس کام ہے۔

لیکن خود غرض و وطن دشمن عنصر ناجائز فائدہ اُٹھانے پر تُلا ہُوا ہے۔

"آپ کو بھوک لگی ہوگی" عبدل نے گفتگو کا پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"بھوک! یہ بھوک ہی تو ہے۔ جو انسان کو قعر ذلت میں دھکیلتی ہے۔" ..... ورنہ۔ انسان فرشتہ سے بھی افضل ہے۔"

عبدل باورچی خانہ میں چلا گیا۔ اس نے چولہا گرم کیا۔ اور روٹی کی تیاری میں۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تک گیا۔

اس کے بعد زونی کا روزمرہ کا معمول تھا۔ کہ جب وہ صبح سویرے اٹھتی تو سرہانے کے پاس دیوار پر لکیر لگا دیتی تاکہ یہ پتہ لگ سکے کہ پندرہ دن کب ہونگے۔ دن گذرنے میں دیر نہیں لگتی لیکن زونی کیلئے ان پندرہ دن کا اختتام پیام نو اور جاوید نو کا پیامبر تھا۔ اُدھر عبدل بھی یہی سوچ رہا تھا۔ کہ نہر کے چالو ہونے پر وہ زونی کو دوسری صبح شہر لے جائیگا۔ اس کا علاج کرائے گا۔ پھر وہ خوشی خوشی گھر واپس آئینگے.........

آج پندرھواں دن تھا۔ نہر مکمل ہو چکی تھی۔ اب اس میں پانی کی لہر چھوڑی جانی تھی۔ عبدل معمول سے پہلے نیند سے جاگا۔ وہ اپنے آپکو بڑا ہلکا محسوس کر رہا تھا۔ اس کا دل ایک عجیب خوشی محسوس کر رہا تھا۔ اُسنے غسل کیا شادی کے وقت کی رکھی ہوئی لال رنگ کی قمیض نکالی۔ سر پر تیل لگایا اور ٹوٹی ہوئی کنگھی سے بالوں کو سنوارا۔ زونی بھی جاگ اٹھی تھی۔ اس نے دیوار پر کھنچی ہوئی لکیروں کو گنا۔ وہ پوری پندرہ تھیں۔ اس کا پژمردہ چہرہ ہلکے سے تبسم اور خوشی کے آثار کی روشنی میں چمک اُٹھا۔ اس پر بیماری کی گرفت کچھ ڈھیلی معلوم ہو رہی تھی۔ عبدل نے اس کی خوشی کو اپنی خوشی جانا۔ اس کا ماتھا۔ خوشی کے تناؤ کے زیر اثر زیادہ چوڑا اور روشن دکھائی دے رہا تھا۔ اُس نے قہوہ تیار کیا۔ ایک پیالہ خود پیا اور دوسرا زونی کو دیا۔ پھر وہ نہر کی جانب تیز گام بڑھا۔

نہر کے ہیڈ ورکس پر بڑی چہل پہل تھی۔ سب لوگ خوش تھے۔ اُن کے چہرے خندہ زن اور شگفتہ تھے۔ فضا بھی ہلکی اور خوش نظر آ رہی تھی۔ منسٹر انچارج و دیگر افران اعلا یہاں پن ڈھن

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اور لیڈران علاقہ اس موقع پر موجود تھے ۔ انجینیروں کی تعریفیں ہو رہی تھیں ۔ ان کے کام کو سراہا جا رہا تھا ۔ ہر طرف سے مبارک بادی کے پیغام مل رہے تھے ۔ عبدل یہ سب کچھ دیکھ کر حیران تھا ۔ نہر تو کھودی گئی اس کے مزدور بھائیوں کی محنت و کاوشوں سے ۔ انہوں نے خون پسینہ ایک کر دیا اس کی تیاری میں آفتاب کی تمازت کو اپنے ننگ اجسام پر برداشت کیا ۔ موسم کی سختیوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا ۔ خوشحال گھریلو زندگی سے محروم رہے ۔ عزیز و اقارب کے سکھ و دکھ میں شریک نہ ہو سکے ۔ روکھا سوکھا کھا کر گذر اوقات کی ۔ فاقہ مستی تک نوبت آئی ۔ لیکن حرف شکایت لب پہ نہ لایا ۔ ایمانداری و تن دہی سے تعمیر میں حصہ لے کر اس نہر کو شرمندہ تکمیل کیا ۔ ان کو ملا کیا ؟ یہی دو روپیہ یومیہ ۔ یہ تھا حقیر سا معاوضہ ان فاقہ کشوں و محنت کشوں کی قربانی کا ۔ جن لوگوں نے کام کو غیر ضروری التوا میں ڈالا ۔ ناقص مصالحہ استعمال کیا ۔ ٹھیکیداروں کو بددیانتی کا سبق دیا ۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں روپیہ کا گول مال کیا ۔ پنکھوں و سرد کمروں کی ٹھنڈی ہوا میں بیٹھے ۔ پانی کی جگہ سوڈا واٹر اور وسکی کا استعمال کیا ۔ کاروں میں سیریں کیں ۔ ہوٹلوں میں رنگ رلیاں منائیں ۔ باغوں میں رومانس لڑائے ۔ پابندی وقت کو مضحکہ خیز قرار دیا . . . .

ان کو ترقیاں دی گئیں ۔ میڈل دئے گئے ۔ کامیابی کا سہرا ان کے سروں پہ باندھا گیا ۔ اخباروں میں ان کے نام و کام کا ذکر جلی حروف میں ہوا ریڈیائی خبریں نشر ہوئیں . . . . پھر نہر کے ہیڈ ورکس پر ان کے نام سے یادگار کے پتھر نصب کئے گئے . . . . عبدل نے سوچا یہ دنیا کا دستور ہے ۔ رہا ہے ۔ اور رہے گا ۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

نہر میں پانی چھوڑ دیا گیا ۔ فلک شگاف نعروں سے زمین و آسمان گونج اٹھے ۔ پانی کی تیز رو دیہاتیوں کے لئے جاوید نو علمبردار تھی ۔ اس شام نہر کے کنارے بڑی پر تکلف پارٹی ہوئی ۔ لیکن عبدل یا اس کے ہم فرقہ انسانوں کو ان باتوں سے کوئی لگاؤ یا واسطہ نہ تھا ۔

عبدل کو زونی کا خیال آیا ۔ وہ گھر کی طرف بڑھا آج اس کے قدم خود بخود آگے بڑھ رہے تھے ۔ اس کی جیب میں محنت شاقہ اور عرق ریزی کا ثمرہ نوٹوں کی شکل میں پڑا تھا ۔ وہ راہ چلتے بھی بار بار اپنی جیب پر ہاتھ پھیرتا تھا ۔ کہ کہیں وہ نوٹ گر تو نہیں گئے ۔ پھر کیسی دولت منہ کی بجوری کی زینت تو نہیں بن گئے ۔ وہ ان کے لمس کو محسوس کرتا ۔ ان کی کھسر پھسر سے اس کے پیٹ اور چھاتی میں گدگدی ہوتی تھی ۔

ادھر زونی بھی بے صبری سے عبدل کا انتظار کر رہی تھی ۔ اس نے عبدل کو آتے دیکھا تو نقاہت و کمزوری کے باوجود اٹھ کر چارپائی پر بیٹھ گئی ۔

"آپ آگئے ؟" زونی نے نہایت صاف آواز میں پوچھا ۔

"ہاں تو"

"نہر میں پانی آگیا ؟"

"ہاں ! وہ دیکھو سامنے کتنا صاف و شفاف پانی ہے ۔ اور وہ دیکھو سیماب کی طرح چمکتا ہوا وسیع پاٹ ۔ یہی تو نہر ہے"

زونی نے دور کھیتوں میں بہتے ہوئے پانی کی طرف نظر ڈالی اس کے کمزور چہرہ پر مسرت کی لہر ناچ اٹھی ۔ وہ زیادہ دیر بیٹھ نہ سکی اور نڈھال ہو کر چارپائی کی گہرائی میں ڈوب گئی ۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

عبدل نے نیلے نیلے نوٹ اپنی میلی جیب سے نکالے ۔ زونی کو دکھانے کے لیے ۔ کہ وہ نوٹ اس کی زندگی کے ضامن ہیں ۔

لیکن .... لیکن .... زونی بے حس پڑی تھی ۔ اس کی آنکھوں سے دو موٹے موٹے آنسو نکل کر غلیظ بستر کی تہوں میں جذب ہو کر رہ گئے ۔

عبدل آگے بڑھا ۔ اس نے زونی کو سہلانے کی کوشش کی لیکن اس کی روح فضا کی پنہائیوں میں گم ہو چکی تھی ۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

۲

جہیز

شام سندر کے والد ایک اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے کئی ایک عالیشان بنگلے تھے۔ زمین کافی تھی۔ دو تین فارم تھے۔ نوکروں کا ایک جم غفیر تھا۔ روپیہ پیسہ کی کمی نہ تھی۔ کمروں کے فرش مخملین تھے۔ جھاڑ و فانوس رات کے وقت کمروں کو بقعہ نور بنا دیتے تھے۔ کھڑکیوں پر قیمتی ریشمی کپڑے لٹکتے تھے۔ جو ہوا کے معمولی جھونکے سے ایک عجیب نظارہ پیش کرتے تھے۔ بنگلہ کے ارد گرد خوش نما پھولوں کی کیاریاں تھیں جو صبح و شام بہشت بریں کا نمونہ پیش کرتی تھیں۔ شاہی ٹھاٹھ تھا۔ خاندان کے بچوں کی پرورش نازوں میں ہوتی تھی۔ سمور و کمخواب و ریشمی کپڑے خاندان کا عام پہناوا تھا۔ گھر کی مستورات کھلے عام پھرنے کی عادی نہ تھیں۔ عموماً خاص موقعوں پر بند بگھیوں میں باہر نکلتی تھیں۔ اور ان کو ہر انسان نگاہ توقیر سے دیکھتا تھا۔ پیسے کی یہاں بڑی وقعت تھی۔ لیکن کسی سوالی کو نامراد بھی لوٹایا نہ جاتا تھا۔ کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ تمنائیں یہاں ہر لمحہ روپیہ سے پوری ہو سکتی تھیں۔ یہ زندگی ایسی تھی یہاں جد و جہد مفقود تھی لیکن باوجود ان تمام باتوں کے خاندانی روایات کے پیش نظر اہل خاندان کو اپنے اعلیٰ چال چلن پر بھی فخر حاصل تھا۔ تمام افراد کنبہ کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی تھی۔ کہ کسی مرد و زن سے ایسا فعل سرزد نہ ہو جو خاندان کی رسوائی کا موجب بنے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

عیش و عشرت کا یہاں شائبہ تک نہ تھا۔ اعلیٰ معیارِ زندگی محض خاندانی روایت تھی۔ ورنہ خورد و نوش میں انتہائی سادگی برتی جاتی تھی۔ منشی اشیاء کو گھر کی چار دیواری کے اندر دخل حاصل نہ تھا۔ لڑکیوں کی شادیوں پر خاندان کا ہزاروں روپیہ پانی کی طرح بہایا جاتا۔ دیکھنے والے جب داد دیتے تو اہل کنبہ کے جیوں فخر سے اوپر اٹھ جاتے تھے۔

لیکن یہ خوشی محض نمائشی ہوتی تھی۔ اس کے دور رس نتائج نہ ہوتے تھے۔ اس کے بعد لڑکیوں کی طرف سے فرمائشوں کا سلسلہ تھا۔ کہ منقطع ہوتا دکھائی نہ دیتا تھا۔ یا یوں کہئے۔ کہ اس زندگی کا عملی پہلو مفقود تھا۔ محض روپیہ پیسہ پر ہی یہ تمام پیار و محبت کا افسانہ ایک ٹھوس حقیقت کا دھوکہ دے رہا تھا۔

پھر امواج حوادث کا مد آیا دنیا یکسر بدل گئی۔ سیاسی انقلاب آیا اس کے بعد اقتصادی بحران پیدا ہوا۔ اراضیات ہاتھ سے نکل گئیں۔ کسانوں کو ان کا مالک قرار دے دیا گیا۔ وہ کسان جو ہاڑ و ساون کی تمازت میں اپنا جسم جھلس کر اراضی کو آباد کرتا تھا۔ اپنے پسینوں سے ان کو سیراب کرتا تھا۔ بہت کم پیداوار کو اپنے تصرف میں لا سکتا تھا۔ اب وہ ان اراضیات کا مالک کامل تھا۔

خاندان کے ذرائع آمدنی محدود و مسدود ہو گئے۔ خاندانی روایات کو ناقابل تلافی دھکا لگا۔ سمور و کمخواب و ریشمی لباس ناپید ہونے لگا جھاڑ و فانوس بجلی کی خیرہ کن روشنی کے آگے دقیانوسی دکھائی دینے لگے بجوریوں کو کھلا چھوڑ دیا گیا۔ اور وہ زنگ کی آماجگاہ بن گئیں۔ باغوں کی وہ پہلی سی شان نہ رہی۔ نوکروں و خادموں نے اپنی اپنی راہ لی گھر کی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

نازک اندام دیویاں جو باورچی خانہ کے بیرونی دروازہ تک جانا کسر شان سمجھتی تھیں ۔ اب سارا سارا دن وہاں گھسی رہتیں ۔ کپڑے خود دھوتیں ۔ برتن خود صاف کرتیں ۔ بچوں کی پرورش و نگہداشت خود کرتیں ۔ لیکن بیرونی شان پہلی سی ہی تھی ہو بھی کیوں نہ ۔ شام سندر کے جیتے جی دنیا کو یہ کہنے کی گنجائش نہ تھی کہ ان کا خاندان ننگ و ناموس سے عاری ہو چکا ہے ۔ وہ قسمت کے تھپیڑوں کو سہنے کے لئے اس بحرِ بے پایاں میں نبرد آزما ہیں ہرگز مات کھانے کے لئے تیار نہ تھے ۔ وہ بزرگوں کی سالہا سال کی بنائی ہوئی اس رنگین تاریخ کے اوراق کو یاس و ناامیدی کی گھناؤنی تاریکی نذر کرنے کو تیار نہ تھے ۔

شیام سندر ایک فکر سے ابھی تک بے نیاز تھے ۔ وہ کیا تھا ؟ انہیں لڑکی کی شادی کا فکر سوار نہ تھا ۔ ان کی اپنی بہنوں کی شادیاں پہلے ہی ہو چکی تھیں ۔ وہ اپنے اپنے گھروں میں پر امن ازدواجی زندگی کے دن کاٹ رہی تھیں ۔ انہیں بھائی کا محتاج ہونے کی ضرورت نہ تھی ۔ انہیں ایشور نے سب کچھ دے رکھا تھا ۔ وہ کبھی کبھار میکے گھر آتیں ۔ وہ ایسے وقت پر کسی قسم کا تکلف کرنے نہ دیتی تھیں ۔ وہ بھائی کی مجبوریوں کو جانتی تھیں اور اس کو زیادہ تذبذب میں ڈالنا گوارا نہ کرتی تھیں ۔

پربھا شیام سندر کی نازک اندام ۔ شیریں دہن ۔ سلیقہ شعار ۔ وفا شعار ۔ عصمت مآب اور بلند اخلاق رفیقہ حیات تھی ۔ ابھرتی ہوئی جوانی بیضوی چہرہ ۔ بادامی آنکھیں ۔ خوبصورت سیاہ زلفیں ۔ نوک دار ناک ۔ سڈول جسم ۔ اور سیب جیسی رنگت ۔ پربھا کی خوبصورتی کے شاہد تھے ۔ پربھا سسو ابھی اس گھر کی دلہن کی حیثیت میں داخل ہوئے ہفتہ عشرہ ہی ابھی گذرا ہوگا کہ انقلابی دور نے انگڑائی لی ۔ لیکن یہ امر اس کے لئے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

چنداں پریشان کن نہ تھا ۔ کیونکہ اس کے میکے والے بھی اسی انقلاب کا شکار ہو کر اراضیات کی ملکیت سے محروم ہو گئے تھے ۔ لیکن بھگوان کا دیا پھر بھی کافی تھا ۔

بزرگوں کا کہنا ہے ۔ کہ بیکار رہنے سے بھرے ہوئے خزانے بھی خالی ہو جاتے ہیں ۔ شیام سندر کیلئے آمدنی کے تمام ذرائع منجمد ہو چکے تھے ۔ لیکن اخراجات میں مقابلتاً خاطر خواہ کمی نہ ہوئی تھی ۔ اب ان کیلئے راہ زندگی پر پیچ و خم دکھائی دینے لگی تھی ۔ فکر فردا دامن گیر ہو رہا تھا ۔ کیونکہ گھر کی مال و دولت آہستہ آہستہ تفریط پذیر تھی ۔ اس آفت ناگہانی یعنی انقلاب نو کا کبھی انہیں وہم و گمان نہ تھا ۔ وہ بے خبری میں ہی اس کا شکار ہو گئے ...... لیکن بہرحال شیام سندر نے یوں تو کفایت شعاری کر کے زندگی کے دن کاٹنے کا تہیہ کر رکھا تھا ۔

مہینہ ٹھیک طور پر یاد نہیں البتہ کافی سردی پڑ رہی تھی ۔ پہاڑوں کی چوٹیاں برف سے ڈھکی جا چکی تھیں ۔ نالوں کا پانی منجمد ہو رہا تھا ۔ رات پرخطر اور ڈراونی تھی ۔ تاریکی تھی کہ قوت بینائی کو مضمحل کر چکی تھی ۔.... لیکن شیام سندر ہاتھ میں ٹارچ لئے دایہ کی تلاش میں نکلے ۔

اس وقت راستہ کی تکلیف کا شیام سندر کو احساس نہ ہوا ۔ انہیں ہوا کی خنکی کا خیال تک نہ آیا ۔ وہ خیالات کی پراگندگی میں الجھے ہوئے چپ چاپ آگے بڑھ رہے تھے ۔ انہیں دنیا سے کوئی تعلق نہ تھا ۔ اور ویسے بھی تو دنیا اس وقت خواب خرگوش میں مدہوش تھی ۔ امید و بیم کے اس پر تلاطم بحر میں شیام سندر قسمت کی اٹکھیلیوں کا شکار ہو رہے تھے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

دایہ گھر پر آگئی اور وہ پربھا کے کمرے میں چلی گئی ۔ پربھا کو تکلیف زیادہ تھی اور وہ ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی ...... لیکن دایہ کے علاج و معالجہ سے اُسے کچھ تسکین و آرام ہوا ..... دایہ نے شیام سندر کو مشورہ دیا کہ وہ ذرا آرام کریں ۔ کیونکہ بے خوابی صحت کی عدو ہے ....

آفتاب عالم تاب نے مشرق کی پہاڑیوں کی چوٹیوں پر سے نگاہ اول دنیا پر ڈالی ۔ تو دایہ نے شیام سندر کو جھنجوڑا ..... وہ یکایک اُٹھا ..... کیا ہوا ؟ لڑکا ؟ نہیں ۔ اس کا منتا دل ..... لڑکی ۔

شیام سندر پر گویا بجلی گری ۔ اُنہیں ایسا محسوس ہوا کہ کسی نے چپکے سے اُن کے منہ پر کالک تھوپ دی ہے ۔ اُنہیں ایسا محسوس ہونے لگا کہ خاندان کے ناموس کی کشتی گرداب میں پھنس کر غرقاب ہونے کو ہے ۔ اُنہوں نے اپنے ارمانوں کی دنیا کو عملی طور پر برباد ہوتے دیکھا سکوت، غم سے اُن کے چہرہ پر افسردگی نے تسلط جما لیا ۔ شرط الم سے وہ پربھا کی صورت سے بھی بے زار ہو رہے تھے لیکن کچھ دیر بعد دل کو ڈھارس دیکر سنبھلے ...... آخر لڑکی ہی تو ہے .... گلہ کس بات کا .... کیا قسمت لڑکے کی بھیجی تھی اور غیبی ...... تجار نے دنیا کو سے لڑکی بھیج دی ۔ یہ سب باتیں انسانی قوت بازو سے باہر ہیں ۔ تکمیل آرزو کی کلید اُسی غیبی ہاتھ کی سکت میں ہے ۔

پربھا صحت یاب ہوئی ۔ نووارد ننھی سی جان بڑی خوب صورت تھی ...... جب یہ پروان چڑھنے لگی تو شیام سندر کے خاندانی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

روایات کے زیر اثر لڑکیوں کے لئے نفرت کے جذبات ہمدردی کے سرد ی
چشموں میں بدلنے لگے ۔ وہ اپنے اندر ایک قدرتی کشش کو بڑھتا دیکھ کر
متحیر ہو جاتے تھے ۔ لڑکی کا نام شوبھا رکھا گیا ۔ سچ پوچھئے تو یہ گھر کی
شوبھا ہی تھی ۔ اس کی آمد نے گھر کی خوشیوں میں ایک گونہ اضافہ کیا ۔
یوں تو جس گھر میں بچہ نہیں وہ گھر ہی کیا ہے ۔ وہ شوہر و بیوی ہی کیا
...... جن کی زندگی بغیر بچہ کے ہے .... اُن کی زندگی ایک پُر
حسرت افسانہ ہے ۔ جس میں کسی قسم کی دلکشی نہیں ..... اور نہ ہوگی ...
..... ان کی مثال بعین اُس آسمان کی سی ہے جو چاند ستاروں
سے محروم ہو ۔

شوبھا کو پانچ سال کی عمر میں سکول میں داخل کروایا گیا ۔ اب
وہ کافی سلیقہ شعار ہو چکی تھی ۔ گھر کے کام کاج میں ماں کا ہاتھ بٹانے لگی
تھی ۔ صفائی کی بڑی دلدادہ تھی والدین کی دلجوئی کیلیے کوئی دقیقہ فروگذاشت
نہ رکھتی تھی ۔

ادھر سکول میں بھی شوبھا نے چند ہی مہینوں میں عام استانیوں کو
اپنے حسن واخلاق سے گرویدہ کرلیا ۔ تمام سکول اس کو پیار کرتا تھا ۔ پڑھائی میں
بھی شوبھا حد درجہ ذہین ثابت ہوئی ۔ وہ اگلی جماعت کی لڑکیوں کی رہنمائی
کرتی ۔ وہ امتحان میں امتیازی درجہ حاصل کرتی ۔

جس سکول میں شوبھا ابتداً داخل ہوئی وہ صرف مڈل سٹینڈرڈ
تک تھا ۔ مڈل کے امتحان میں وہ تمام صوبہ میں اول آئی ۔ اور سکول کی استانیوں
کا سر فخر سے اونچا اُٹھ گیا ۔ اسے شاندار الوداعی پارٹی دی گئی ۔ شوبھا
کی آیندہ کامیابی کے لئے دعائیں کیں گئیں ....

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

یہ نظارہ بڑا رقت انگیز تھا...... شوبھا کو پھولوں سے لاد دیا گیا....
لیکن دوسری طرف محبت بھرے آنسو اور رکے ہوئے گلے اس کو رک ... جانے کیلئے کہہ رہے تھے...... لیکن ...... زندگی کو قرار کہاں
... ایک زندگی کا ختم ہونا دوسری زندگی کو جاویدانی بخشتا ہے...
... یہاں صبح و شام دعوتیں ہوتی ہیں۔ فاتحہ پڑھا جاتا ہے...
شادیاں ہوتی ہیں..... غم دیاس پنپتا ہے۔ موتیں ہوتی ہیں اور نئی روحیں نئے اجسام میں داخل ہو کر دنیا میں وارد ہوتی ہیں۔ یہ قصہ پارینہ ہے۔ نہ کسی نے اس عقدہ کو سمجھا ہے۔ اور نہ سمجھے گا......
ہائر سکنڈری سکول میں بھی شوبھا شہرت کا چاند بن کر چمکی اساتذہ اس کی غیر معمولی قابلیت کو دیکھ کر دنگ رہ جاتے تھے۔ ادھر نسوانی حسن بھی انگڑائی لے رہا تھا۔ اور دن بدن شگفتگی اختیار کر رہا تھا۔ اب وہ لڑکی نہیں۔ تھی زبان میں عورت بن رہی تھی۔ وہ اپنی جسمانی تبدیلی تو سے بے خبر نہ تھی۔ اب وہ زندگی کی اس منزل میں داخل ہو رہی تھی۔ یہاں ہندوستانی والدین کی آنکھیں لڑکیوں کو دیکھکر خجل و شرمندہ ہو جاتی ہیں سماج کے ٹھیکدار ننگ و ناموس کی نمائش دلواروں کو نوجوان لڑکی کے والدین پر نکتہ چینی کر کے مضبوط کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور شادی کو لابدی قرار دیتے ہیں۔ لیکن فکر شادی والدین کو سکون سے بیناز کر دیتا ہے۔ موزون لڑکا اور پھر جہیز!۔
شیام سندر اور پربھا۔ دن رات اس غم میں گھلتے جا رہے تھے۔ کہ کسی طرح شوبھا کے ہاتھ پیلے کر دئے جائیں۔ اب وہ تعلیم سے فارغ التحصیل ہو چکی تھی۔ اس نے ایم۔ اے کا امتحان امتیازی پوزیشن

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

حاصل کرکے پاس کر لیا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ سرکاری ملازمت اختیار کرے۔ لیکن خاندانی روایات اس کی راہ میں حائل تھیں۔ دوسری طرف والدین کو شادی کی فکر لاحق تھی۔

لالہ دین دیال قصبہ کے متمول آدمی تھے۔ بچپن میں اُن کا شیام سندر سے گہرا لگاؤ رہا تھا۔ دونوں کنبے شہر میں ہم پایہ سمجھے جاتے تھے۔ لیکن حالات نے پلٹا کھایا۔ لالہ دیندیال نے لاکھوں روپیہ بلیک میں کمایا۔ شہر میں کافی کارخانے اُن کے اپنے تھے۔ دوکانیں چلتی تھیں۔ لیڈروں سے اُن کی گاڑھی چھنتی تھی۔ حاکمان وقت کی نظروں میں وہ کافی مقبول و معزز تھے۔

لالہ دین دیال کا لڑکا سریندر پال ایک ہونہار جوان تھا۔ اُس نے ایم۔ بی۔ بی۔ ایس کا امتحان پاس کر لیا تھا اور کسی سرکاری ہسپتال میں ڈاکٹر تعینات تھا۔ اس نے چند ہی ماہ میں بطور ڈاکٹر کے کافی شہرت حاصل کر لی تھی۔ پرائیویٹ پریکٹس کافی تھی۔ شیام سندر کی نظر انتخاب سریندر پال ہی پر پڑی۔ لیکن وہ لالہ دین دیال کے سامنے اس پیشکش کو رکھتے کچھ ہچکچاتے تھے۔ ایک دن اُنہوں نے پربھا سے بھی اُس کا ذکر کر دیا۔ پربھا نے اس رشتہ کو بڑا سراہا اور تجویز رکھی۔ کہ جا ہے کیسے بھی ہو لالہ دین دیال کو اس رشتہ کے لئے راضی کر لیا جائے۔

ایک دن شیام سندر اس ارادہ کو لیکر لالہ دین دیال کے ہاں پہنچے۔ پہلے تو ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں پھر اس رشتہ کے متعلق گفتگو شروع ہوئی۔ "شیام سندر جی۔ میں شوبھا کو اپنی ہی لڑکی سمجھتا ہوں اور آپ سریندر پال کو اپنا ہی لڑکا سمجھے"

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

"تو پھر کل شگن ہو جاوے"

ہاں! ہاں! لیکن آپ میری مجبوریوں کو سمجھتے ہی ہونگے؟ ۔

"آپ کی مجبوریاں! شیام سندر نے متحیر ہو کر پوچھا ۔

"ہاں! ہاں! بھائی یہ سب پردے ہوتے ہیں ۔ تم جانتے ہو ۔ میں نے سریندر پال کی تعلیم پہ بڑا خرچ کیا ہے "۔

" پھر "۔

کاروبار بھی مدہم ہے ۔ انکم ٹیکس والے ہر وقت دنبال رہتے ہیں ۔ لیڈر لوگ چندہ کے لئے دھرنا مارے بیٹھے رہتے ہیں ۔ اور پھر دیکھو مہنگائی نے ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا ۔

شیام سندر بھونچکا سا رہ گیا ۔ کہ لالہ دین دیال کتنی غلط بیانی سے کام لے رہا ہے ۔ سریندر پال کی تعلیم کے مصارف میں سرکاری امداد میسر تھی کاروبار . . . . وہ تو ایشور کی دیا سے قابل رشک تھا ۔ پھر لفظ مجبوری کا استعمال . . . . یہ تو سراسر سفید جھوٹ اور لغو بیانی تھی ۔ وہ جانتے تھے ۔ کہ وہ دراصل ان تمام باتوں کا مطلب جہیز سے تھا . . . .

. . . . . پھر بھی سلسلہ گفتگو چھیڑ ہی دیا . . . . . ! " لیکن اس سے آپ کا کیا مطلب ؟ ۔

" مطلب کچھ نہیں ۔ آخر آپ بھی ایک اعلےٰ خاندان سے منسوب ہیں ۔ اور پھر آپ کی ایک ہی تو لڑکی ہے ۔ آپ کیا کچھ " . . . .

" لالہ صاحب میں آپ کی منطق کو نہیں سمجھ سکا . . . . "

میری کیا منطق ہے ۔ میں تو ایک سادہ لوح انسان ہوں ۔ میرا مطلب صرف اتنا ہے ۔ کہ سریندر پال کا تنخواہ سے بمشکل گذارہ ہوتا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہے ۔ اور وہ کئی دن سے موٹر کار کے لئے بضد ہے ۔ اور پھر دیکھئے نا۔۔
۔۔۔۔۔۔۔ آج کل نوجوان لڑکے شادی کے بعد والدین کے ہمراہ رہنا بھی
پسند نہیں کرتے ۔ اور یہ بنگلہ جو آپ نے ہماری جھونپڑی کے پاس کرایہ پر
دے رکھا ہے ۔ اُسے بہت پسند ہے ۔۔۔۔۔۔ وہ ۔۔۔۔۔۔
شیام سندر نے آگے سُننے کی کوشش نہ کی ۔ کیونکہ وہ سارا مفہوم
سمجھ چکا تھا ۔۔۔۔۔۔ موٹر کار ۔۔۔۔۔۔ بنگلہ ۔۔۔۔۔۔ جھونپڑی ۔۔
۔۔۔۔۔ یہ سب الفاظ پُراسرار طور پہ استعمال میں لائے جاتے تھے ۔۔۔۔۔
شیام سندر سمجھ گئے تھے ۔ کہ لالہ دین دیال کس طرح اشارہ وکنایہ
سے کام لے رہا ہے ۔ اُس کے حرص وآز کا اندازہ بھی انہوں نے بخوبی کر لیا
تھا ۔ اس لئے رخصت مانگی اور چلنے لگے ۔ دین دیال نے جاتے جاتے کہا ۔ کہ وہ
جلد اس کے متعلق اطلاع دیویں ۔ کیونکہ اُن کے گھر اور بھی کئی رشتے آرہے ہیں
شیام سندر کو کامل یقین ہو چکا تھا ۔ کہ اُمراء کی دنیا زر و
سیم کی دنیا ہے ۔ اُن کو اپنے خاندان کی بھی حریص طباع کا تجربہ تھا ۔ لیکن آج
وہ سیم وزر الوداع کہہ چکا تھا ۔ اور اس کے بعد وہ انسانی ہمدردی اور جذبہ پاک
محبت کے متلاشی تھے ۔ لیکن ہر چیز دنیا میں عنقا ہے ۔
پربھا نے شیام سندر سے رشتہ کی بات چیت کے متعلق دریافت
کرنا چاہا ۔ لیکن انہوں نے ایک لمبی سرد آہ بھری اور خاموش ہو گئے ۔
پربھا نے اضطراب دل کو دور کرنے کی سعی کرتے ہوئے ۔ پھر اس
موضوع کو دہرایا ۔۔۔۔۔ " آپ خاموش کیوں ہیں ۔ کیا لالہ دین دیال نے یہ
پیش کش ٹھکرا دی ؟ " " نہیں تو ۔۔۔۔۔۔ "
" پھر کیا ہوا ؟ "

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

"کیا ہوتا؟ اس دنیا میں رودادِ غم واندوہ کو کون سنتا ہے؟"

"آخر بات کیا ٹھہری؟"

"موٹر کار .... بنگلہ .... زیور .... اور"

"لیکن آپ کہتے تھے .... پچھلے تعلقات ...."

"یہ میرا عزم راسخ تھا ۔ یہ ایک آرزو تھی ۔ جو اُمراء سے پوری کرنا مقصود تھی ۔ .... لیکن وہاں تو دن رات دولت کا مظاہرہ چاہیئے ۔ وہاں ہر ایک چیز بلکہ پیار و محبت تک روپیہ سے خریدنے کی کوشش کیجاتی ہے ۔"

"تو پھر آپ تشنہ کام لوٹے ؟"

"نہیں .... لیکن .... جہیز کی مانگ کو پورا کرنے کیلئے بہت کچھ قربان کرنا پڑیگا"

"مطلب !"

"مطلب صاف .... بالکل عیاں ...."

دوسرے ہی دن دلال کو بلایا گیا ۔ جو اراضی بچی تھی ۔ اور زندگی کا آخری سہارا تھی ۔ بیچ دی گئی ۔ بنگلہ جس پر لالہ دین دیال کی نظر تھی ۔ گروی رکھدیا گیا ۔ پربھا کے زیورات جوہری کی دوکان کی زینت بنے ۔ گھر کی بیشتر چیزیں کواڑی کی دوکان کی شان بنیں ۔ اور جہیز تیار ہونے لگا ۔

شیام سندر اور پربھا نے جہیز کی تیاری میں کھانا پینا ۔ نیند و آرام اور زندگی کی عام آسائشوں کو خیرباد کہدی ۔ تمام کچھ قربان کر دینے کے بعد بھی موٹر کار کیلئے کچھ رقم درکار تھی ۔ اور یہ بھی پوری کرنے کے لئے کوئی سبیل نظر نہ آتی تھی ۔ آخر شیام سندر کو نوکری کی تلاش درپیش آئی ۔ ایک بنک میں ملازمت اختیار کرلی ۔ اور اس طرح کچھ روپیہ بچانا شروع کیا ۔ دو صد روپیہ ماہانہ سے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

یکمشت روپیہ میں گذر اوقات ہوتی اور باقی یکمشت بچت میں رکھا جاتا۔ بچوں کا دودھ بند کر دیا گیا۔ مکان کی ضروری مرمت ایک غیر معین عرصہ کے لئے ملتوی کر دی گئی۔ صرف بوڑھا سیتارام پرانے خادموں میں سے رہ گیا تھا۔ اُسے بھی وداع کر دیا گیا۔ بوڑھے سیتارام کا اِس خاندان سے چالیس سالہ پرانا رشتہ تھا۔ جس کو مجبوری و بے بسی نے ایک ہی لمحہ میں ہمیشہ کیلئے منقطع کر دیا۔ گھر کے سامنے والے چھوٹے باغیچہ میں شوبھا اور پربھا مالی کا فرض انجام دینے لگیں۔ اور ان کی کاوشوں سے اسی باغیچہ میں سے کنبہ کی سبزی کی ضروریات کو پورا کیا جانے لگا۔ . . . . . . تمام خاندان یاس و حرماں کا مسکن نظر آنے لگا۔ دنیا بھر کے غم شیام سندر و پربھا کی آنکھوں میں سمٹ کر آ گئے تھے۔ ایک دو ماہ کی اس متفکر زندگی نے جوانی کو خیرباد کہی۔ اور بڑھاپے کے آثار ہویدا ہونے لگے۔ جبینوں پر شکن آ گئے۔ آنکھوں کے گرد گڑھے پڑ گئے۔ اہل کنبہ کی پوشش میں زمین و آسمان کا فرق آ گیا۔ کہاں تو صبح و شام کپڑے بدلے جاتے تھے۔ اور کہاں تو کئی کئی روز میلے کپڑوں میں گذرنے لگے۔ زندگی کی حس ختم ہوتی نظر آ رہی تھی۔ اور زندگی کی راہیں مخدوش سی نظر آ رہی تھیں۔ سچ پوچھو تو غم و اندوہ ہی ان کی زندگی کا رازدان بن چکا تھا۔

یہ سب کچھ ایک ذی حس۔ ذہین اور بیدار مغز انسان خاموشی سے برداشت کر رہا تھا۔ اور کیوں؟ محض سماج کی نظروں میں چند لمحوں کی عارضی تحسین کی خاطر۔ اصل بات تو یہ ہے۔ کہ عقلمند ہو کر کوئی انسان خوش نہیں رہ سکتا۔ تمام زیست ایک عقدہ بن جاتی ہے۔ اور یہی حالت شیام سندر اور پربھا کی تھی۔

شوبھا یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اور خاموش تھی۔ وہ والدین

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کو دن رات غم میں ڈوبا دیکھ کر اپنے آپ کو لعنت بھیجتی وہ اس تمام کشاکش کا ذمہ وار خود کو ٹھہراتی - وہ جانتی تھی کہ اس کی رعنائی والدین کے لئے پیش از وقت پیری کے پیامبر ہے - بار ہا اُس کے دل میں آتا کہ کیوں نہ وہ ایک زندگی کی بھینٹ دے کر تمام کنبہ کی زندگی کو حقیر ذلت میں گرنے سے بچائے . . . . . لیکن سماج . . . . . . ہاں بوسیدہ سماج . . . . . پتہ نہیں . . . . . والدین پر کیا بہتان تراشی کریگا۔

شیام سندر کو نوکر ہوئے ایک سال ہو چکا تھا اور اس عرصہ میں بچائی ہوئی رقم بھی موٹر کار کی مانگ کو پوری کرنے میں قاصر رہی۔ بچے سو چکے تھے ۔ شوبھا باورچی خانہ میں برتن صاف کرنے میں مشغول تھی - پربھا اور شیام سندر نے موقع غنیمت جانا اور جہیز کی بات چیت شروع کردی - شادی کی ساعت کو پورا ایک ماہ باقی تھا - اگر اس ماہ کے اندر جہیز مکمل ہو جائے تو بہتر ۔ ورنہ لالہ دینہ دیال رشتہ سے انکاری ہو جائینگے یہ ضروری تھا - دونوں کی بات ابھی ابتدائی مرحلہ میں ہی تھی کہ شوبھا کو خیال آیا کہ شاید ڈرائینگ روم میں اور بھی کوئی برتن صاف کرنے والا پڑا ہوا ہو - وہ اُس طرف بڑھی - ابھی دروازہ سے باہر ہی پہنچی تھی کہ والدین کو محو گفتگو دیکھ کر ٹھٹک گئی - اُنہیں اس کی موجودگی کا قطعاً علم نہ ہوا - وہ دروازہ کے ایک طرف تاریکی کی اوٹ لیکر کھڑی ہو گئی۔ اور والدین کے درمیان چل رہی بات چیت کو سننے لگی ۔

" بنگلہ کے رہن رکھنے کی خبر کیسے اُڑی ؟"

" ایشور ہی جانتا ہے لیکن دلال کا آنا جانا لالہ کے گھر بھی ہے . . . . شاید اُس نے ہی بات کر دی ہو۔"

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

"میں آپ سے پہلے ہی کہتی تھی کہ رہن شدہ بنگلہ جہیز میں دینا خاندانی ننگ و ناموس کو برباد کرنے کے مترادف ہے ....."

"پھر موٹر کار ....."

"موٹر کار کے لئے رقم کافی نہیں ہے اور پھر دیگر اخراجات بھی ہیں ...."

"کم و بیش پچیس ۲۵ ہزار روپیہ مزید درکار ہے"

"اس کا حل"

"میرے آگے ایک ہی حل باقی ہے - اس رہائشی مکان کو بھی گروی رکھ دیا جائے اور خود ....."

"خود کہیں کرایہ کا مکان لیکر گذر اوقات کرینگے"....."

"دنیا کیا کہے گی ؟"

"پگلی دنیا کو کہنے دو ! لڑکی کی شادی ...... تو ہو جائیگی نا ..

"اے ایشور ! میں کیا سن رہی ہوں - تو بھی ہماری اس وقت کوئی امداد نہیں کر سکتا - تجھے بھی لاچاروں - بے بسوں اور بے کسوں کی آہیں پسند نہیں آتیں - تو بھی سات پردوں آسمانوں پر چھپ کر بنی نوع انسان کے نالوں کو فضا میں بے اثر ہوتا دیکھنا پسند کرتا ہے ...... ایسے ہی نظاروں کو دیکھکر گمان ہوتا ہے کہ ایشور کی دو ہیں - ایک ذی حس جو امرا و وزرا کے خوشنما محلوں کے اندر بیٹھے قہقہوں سے حظ اٹھاتا ہے - دوسرا ہے وہ بے حس جو غربا - بے کسوں - بے بس اور لاچار و محتاجان عالم کے آہ و بکا میں ترنم کا سرور پاتا ہے -

شیام سندر اور سربھا کی آنکھیں آب گیں ہو گئیں اور گرم گرم آنسو مرجھائے ہوئے گالوں پر سے ڈھلک کر زمین پر گر کر ہمیشہ کیلئے ناپید ہو گئے -

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

شوبھا نے سب کچھ سنا اور دیکھا بھی ۔ ۔ ۔ ۔ اس کے لب بے جنبش تھے ۔ لیکن دل برابر حرکت کر رہا تھا ۔ اور اس کے کان اس کی دھڑکن کی آواز کو برابر سن رہے تھے ۔ اُسے ایسا محسوس ہوا کہ اس کا دل بار بار اُسے کہہ رہا ہے کہ اگر وہ چاہتے تو وہ اس طوفان غم و اندوہ کا رخ موڑ سکتی ہے ۔ سماج کی آہنی زنجیریں اس کے عزم کے آگے جھک کر ریزہ ریزہ ہو سکتی ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن اُس کا مال ۔ ۔ ۔ ۔ اُسے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس سے کیا سروکار ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سماج ۔ ۔ ۔ ۔ خود سر سماج ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ خود اس کے متعلق سوچ گا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

تمام کنبہ خواب خرگوش میں مدہوش تھا ۔ چاند کی چاندنی پورب کی طرف سے کھڑکی سے چھن کر شیام سندر کے پُر حسرت چہرہ سے اٹکھیلیاں کر رہی تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

شوبھا نے رات کی تاریکی میں اپنی ماں کے پژمردہ چہرہ کو ایک بار دیکھنے کی سعی کی ۔ لیکن کمرہ کے اندر پھیلی ہوئی تاریکی نے اُسے اس سعی میں کامیاب ہونے نہ دیا ۔ وہ ایک بارگی پیچھے ہٹی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پھر رُکی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس کے خیالات میں تعطل رونما ہو گیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ سنبھلی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور کمرہ سے باہر نکل گئی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اہل عالم دنیا و مافیہا سے بے خبر نیند کی آغوش میں خاموش پڑے تھے ۔ جنگلی جانور بھی رات کے ابتدائی حصے میں جنگل نوردی سے تھک کر سایہ دار غاروں اور کھادوں میں پناہ گزین ہو چکے تھے ۔ چند ایک جانور تھے جو فکر خوراک میں آبادی سے دور سرگرداں تھے ۔ شوبھا کو رات کی اس پُر اسرار خاموشی و تاریکی میں ذرہ بھر بھی ڈر محسوس نہ ہوا ۔ ۔ ۔ ۔ وہ دیوانہ وار

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

منزل کی طرف جا رہی تھی۔ آخر منزل اُسے سامنے دکھائی دی ۔۔۔۔

دریا کا پانی بے سکون دل کی طرح بہے جا رہا تھا۔ اُس کی لہریں اپنی سطح سے بلند ہو کر سریلی بہاؤ میں مل رہی تھیں۔ یہ لہریں انسان کو آدمیت کا سبق دیکر دامنِ ہستی پر سے بغض و عداوت کے بدنما دھبوں کو دھو کر اُخوت و یک جہتی کی تلقین کر رہی تھیں۔

شوبھا نے چاروں طرف اُچکتی ہوئی نگاہ ڈالی۔ یہاں نہ تو سماج تھا اور نہ ہی سماج کی پابندیاں ۔۔۔۔۔۔

دریا کی لہروں میں معمولی سا ارتعاش پیدا ہوا۔ ایک بار شوبھا کی زندہ لاش لہروں سے اوپر اُبھری لیکن دوسرے ہی لمحہ دریا کی لہروں نے آگے بڑھ کر اُسے آغوش میں لے لیا۔ اور پھر سرود ابدی میں محو ہو گئیں ۔۔۔۔۔۔۔

۵

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

۴
خانہ بدوش

شہباز حسبِ معمول صبح صادق ہونے پر سیر کی غرض سے باہر نکلا۔ ماہ ستمبر کے خوشنما دن تھے۔ مرغ اپنے ڈربے میں بند بانگیں دینے میں مشغول تھے کسان صبح کے اندھیرے ہی میں بیلوں کو آگے ہانکے اپنے کھیتوں میں جتائی کے لئے جا رہے تھے۔ بیلوں کے گلے میں ڈالی ہوئی گھنٹیاں بڑی ترنم آمیز آواز پیدا کر رہی تھیں۔ ہوا میں کچھ تندی تھی لیکن اس کی خنکی دل و دماغ کو تازہ کر رہی تھی۔ پرندوں کی چہچہاہٹ اس خوشگوار صبح کا ایک جزو معلوم ہو رہی تھی۔ کبھی کبھار دور سے جنگلی پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو آ کر شہباز کی ناک سے ٹکراتی تو ایسا معلوم ہوتا کہ کوئی نازنین اپنے سیاہ گیسوؤں کو معطر کر رہی ہے۔ وہ قصبہ سے کافی دور نکل گیا تھا۔ لیکن یہ مسافت اُسے قطعاً محسوس نہ ہو رہی تھی۔ راستہ اس کا جانا پہچانا تھا اور نہر کی پٹڑی کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا۔ اس لئے وہ بے جھجک آگے ہی بڑھتا گیا۔

نہر کا پانی معشوق کے دل کی طرح حرکت کرتے ہوئے بہہ جا رہا تھا۔ اس کے دونوں کناروں پر سبز گھاس اُگی ہوئی تھی۔ جو نہر کے پانی کی خوبصورتی کو دوبالا کر رہی تھی۔ ہوا کی سائیں سائیں اور پانی کی کھر کھر صبح کے اس سہانے منظر میں کما حقہٗ ہیجان پیدا کر رہے تھے۔ اس

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

وقت نہر کی پٹڑی سنسان پڑی تھی۔ سڑک ویران تھی ...... درختوں کے جھنڈ میں تاریکی مسلط تھی۔

اتنے میں آفتاب نے مشرقی اُفق سے سر اُبھارا۔ اور اس کی سرخ روشنی نہر کے پانی پر پڑنے لگی۔ نہر کے پانی کے بلبلے اُبھرتے تھے اور پھر اُسی پانی میں مدغم ہو کر اُس کا جزو بن کر بے ثباتی عالم کا ثبوت دے رہے تھے

شہباز کے پاؤں ایک جگہ یک بیک رک گئے۔ جبکہ اس نے ایک نوجوان لڑکی کو جھاڑیوں کے درمیان نمودار ہوتے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں مٹی کا ایک گھڑا تھا۔ اس کے لباس سے ایسا جان پڑتا تھا کہ یہ مقامی افراد میں سے نہیں ہے ...... لیکن یہ ایک غیر معمولی حادثہ تھا ...... ایک اجنبی نوجوان لڑکی ...... جنگل میں تن تنہا ...... آبادی سے کافی دور اور پھر اس قدر سویرے ...... شہباز اپنے خیالات میں کھو گیا۔

اس اثنا میں لڑکی نہر تک پہنچ گئی تھی۔ شہباز پہلے تو ہچکچایا ...... لیکن پھر جسارت کر کے آگے بڑھا ......

"آپ؟"

"جی؟"

"کون"

"انسان"

"یہاں جنگل میں؟"

"جی اس میں حیرانگی کس بات کی؟"

یہ باتیں تڑ تڑ کی بہ تڑ کی ظہور میں آئیں۔ اور دونوں ایک دوسرے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کے قریب تر ہوتے گئے۔ شہباز نے آنکھیں اوپر اٹھا کر اس لڑکی کے چہرہ کی طرف دیکھا۔ لیکن اجنبی لڑکی کی نگاہیں نسوانی شرم وحیا کے زیر اثر جھک گئیں۔ شہباز کو معمولی سی ایک جھلک نے نیم جان کر دیا۔ اس کا دل معمول سے زیادہ دھڑکنے لگا۔ اس کے اندر ایک عجیب ہیجان نمودار ہو چکا تھا۔ جس کا اُسے کبھی زندگی میں احساس نہ ہوا تھا۔ اس نے ہوا س رفتہ یکجا کر کے پھر بولنے کی ہمت کی

"آپ کا نام"؟

"زیبہ"؟

"آپ کا قیام؟"

"خانہ بدوش"

"جی"

"بالکل"

شہباز عجیب وسوسہ میں پڑ گیا وہ عجیب چپقلش میں گرفتار تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ خدا نے کیسی آفت ناگہانی نازل کر دی ہے وہ روز اس راستہ پر سیر کرنے نکلتا تھا۔ لیکن خدا نے کس کافر ادا سے ملاقات کرادی۔ اس نے ابھی تک دل کو درد محبت سے محفوظ رکھا تھا۔ کبھی بھولے سے بھی اس کا خیال پیدا نہ ہوا تھا اور اندھیرے میں زندگی بسر ہو رہی تھی۔

زیبہ آنکھیں نیچے جھکائے مٹی کے ٹکڑے کو صاف کر رہی تھی۔ اس وقت شہباز صرف اس کے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔ ان ہاتھوں اور انگلیوں کا تناسب چہرہ کی خوبصورتی اور رنگ کا شاہد تھا۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بلوتری انگلیاں مٹی کے گھڑے پر حرکت کرتی ہوئی ایسی معلوم ہوتی تھی۔ گویا وہ شہباز کے دل کے تار کو چھیڑ رہی ہیں۔ اور اُس کا دل اُن انگلیوں کا لمس محسوس کر رہا تھا۔ نہر کا پانی اس دوشیزہ کی خوبصورتی سے متحیر ہو کر اپنی روانی میں خلل محسوس کر رہا تھا۔ نیلگوں پانی زیبہ کی خوش نما انگلیوں سے ہمکنار ہو کر اپنی قدرتی روانی کو بھول رہا تھا۔ درختوں کے پتے اس خوبرو نازنین کے تاب نظارہ سے متاثر ہو کر ساکت کھڑے تھی۔ جنگل پرندے اپنی رفتار پرواز کو فراموش کر کے دید نظارہ بنے ہوئے تھے۔ شہباز کو تو ایسا معلوم ہو رہا تھا۔ کہ کل کائنات اِس کافر ادا کی پُر اسرار خوبصورتی سے متاثر ہو کر مبہوت عالم میں ہے۔

زیبہ نے گھڑا اُٹھا کر خیمہ کی طرف قصد کیا وہ ابھی چند ہی قدم آگے بڑی تھی کہ شہباز نے آگے بڑھ کر اُسے روک لیا۔ زیبہ نے متفکر نگاہوں سے اوپر دیکھا گویا کہہ رہی ہو کہ اُسے دیر ہو رہی ہے اور اہل خانہ تاخیر کیلئے زبرو توبیخ کرینگے۔۔۔۔۔۔

زیبہ تو چھوٹی چھوٹی خودرو جھاڑیوں کو پامال کرتی ہوئی خیمہ کی طرف چلی گئی۔ لیکن شہباز ششدر و حیران کھڑا رہا۔ وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر پگڈنڈی کے عین بیچ کھڑا تھا۔ خدا جانتا ہے کہ وہ کتنی دیر اسی عالم میں کھڑا رہتا کہ عین اس وقت ایک دیہاتی چھکڑے کی چوں چوں۔۔۔۔ چوں چوں۔۔۔۔ گھرر۔۔۔۔ گھرر۔۔۔۔ کی بے ہنگم آوازوں نے اُسے چونکا دیا۔ اُسے اپنی حماقت کا احساس ہوا۔۔۔۔۔ اور وہ سنبھلا۔۔۔۔۔

شہباز نے نہر میں غسل کیا۔ اُس نے گھر کا راستہ اختیار کیا جب وہ گھر کو پہنچا تو اُسے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کوئی قیمتی شئے کھو آیا ہے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

دل میں بے چینی حد درجہ تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کسی کام میں دل نہ لگتا تھا ۔ سب
اس سے اس پراسرار بے چینی و تفکر کی وجہ دریافت کرتے تھے ۔ لیکن شہباز
ان کو صرف یہ کہہ کر ٹال دیتا تھا ۔ کہ اس کی طبیعت گراں ہے ۔

رات کو جب شہباز بستر میں داخل ہوا ۔ تو ایک بار پھر صبح کی تصویر
اس کے تصور میں آگئی ۔ اسے ایسا محسوس ہونے لگا ۔ کہ زیبہ اس کے سامنے کھڑی
ہے ۔ اور مسکرا مسکرا کر اسے سلام کہہ رہی ہے ۔ اسی تصور میں انجانے میں شہباز کے
ہاتھ بھی سلام کے جواب اٹھ جاتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ شہباز کی یہ رات انتہائی بے
چینیوں میں گزری ۔ کبھی وہ اونگھنے لگتا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پھر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھتا ۔ ۔ ۔ ۔
۔ ۔ ۔ کبھی کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیتا ۔ کبھی چارپائی پر بیٹھ کر کسی رسالہ میں محو ہونے
کی کوشش کرتا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن یہ تمام صبر بے کمند د بے اثر ثابت ہو رہے تھے ۔
اسے اپنی بے چینی پر قابو پانے کا کوئی ذریعہ دستیاب نہیں ہو رہا تھا ۔ کافی رات
اس پریشانی اور ادھیڑ بن میں گذر گئی ۔ اب وہ صبح کی انتظار میں تھا ۔ رات کی
گھڑیاں بڑی طویل معلوم ہو رہی تھیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ کھڑکی کے پاس جاتا ۔ صحن میں
پھیلے ہوئے اندھیرے کو گھور گھور کر دیکھتا ۔ اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا ۔ کہ وہ
رات کی تاریکی میں کسی گم شدہ چیز کی تلاش کر رہا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن وہاں
سوائے تاریکی کے کچھ بھی نہ تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لاچار بستر پر آکر دراز ہو جاتا
اور آنکھیں موند کر سونے کی سعی کرتا ۔ لیکن نیند کوسوں دور تھی ۔ اس کا ذہن انواع
واقسام کے خیالات میں الجھ کر رہ گیا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ زیبہ پورے طور پہ
اس کے ذہن پر مسلط ہو چکی تھی ۔ وہ بارہا کوشش کرتا ۔ کہ وہ اس کے تصور
کو دل سے نکال دے لیکن ہر کوشش رائیگاں تھی ۔ بلکہ ایسا سوچنا ہی عبث
معلوم ہو رہا تھا ۔ اسے ایسا احساس ہو رہا تھا ۔ کہ اس کے دل کا کوئی حصہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

چھانی کے اندر سے نکال دیا گیا ہے۔ وہ اُس وقت کا منتظر تھا۔ جب وہ زیبہ کا دیدار حاصل کر سکے اور اُس کے حسب ونسب سے مزید واقفیت حاصل کر کے اطمینانِ قلب پا لے۔

یُوں توں کر کے صبح ہوئی۔ ابھی افق کی لالی تاریکی مشرق کی جگہ نمودار نہ ہوئی تھی۔ مگر شہباز معمول سے پیشتر ہی گھر سے نکل پڑا۔ گو راستہ سنسان و بیابان تھا۔

نہر کا پانی اپنے سرد سرمدی میں تو ایک عاشق کے دِل بیقرار کی طرح بہے جا رہا تھا۔ آموں کے اشجار کے کنج میں بیٹھے ہوئے پرندے پروں کو پھڑپھڑا رہے تھے۔ جنگلی جانور رات بھر سیر شکار میں مشغول رہنے کی وجہ سے تھک گئے تھے۔ اور رواں رواں کچھاروں کی طرف بھاگ رہے تھے۔ کبھی کبھی شہباز کو معمولی سی سرسراہٹ جنگلی گھاس میں محسوس ہوتی تو وہ خائف نظروں سے اِس طرف دیکھتا۔ مبادا کوئی خونخوار جنگلی جانور یا اژدھا راستہ میں ملاقی ہو جاوے۔ لیکن دوسرے ہی لمحہ جب کوئی ڈرپوک خرگوش یا جنگلی گیدڑ اس کے سامنے سے گذر جاتا تو وہ اپنی اس کمزوری پر دل ہی دل میں شرمندہ ہو جاتا اب سکوتِ شب کی جگہ پرندوں کی چہچہاہٹ۔ کوئل کی کوک۔ مرغ کی بانگ۔ اور کسانوں کی کھیتوں میں بیلوں کی ہانک سُنی آوازوں نے لے لی تھی۔ دنیا دار روزمرّہ کام میں مشغول ہو چکے تھے۔

شہباز اس جگہ آ کر ٹھہر گیا۔ یہاں پچھلے روز زیبہ جھاڑیوں کے بیچ سے نمودار ہوئی تھی۔ کچھ فاصلہ پر ان کا خیمہ نصب تھا۔ اس کے اندر سے دھواں اٹھ کر سیدھا آسمان کی طرف ایک باریک لکیر میں بڑھا چلا جا رہا تھا۔ اس کی عمودی اُڑان سے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ کوئی راکٹ ہے۔ جو خیمہ سے نکل کر آسمان

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کی پہناہوں کو پار کر کے چاند کا شفد کدہ آگے جا رہا ہے۔ شہباز کو یہ دھنواں بھی مانوس معلوم ہو رہا تھا۔ وہ منتظر تھا۔ ۔ ۔ ۔ زیتبہ کا ۔ ۔ ۔ ۔ اور یہ ایک نشان تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اُس کی موجودگی کا ۔ ۔ ۔ ۔ اس خیمہ میں ۔ ۔ ۔ ۔ انتظار کی گھڑیاں طویل سے طویل تر معلوم ہو رہی تھیں۔ وہ متلاشی نگاہوں سے چاروں طرف دیکھتا۔ گھاس یا جھاڑیوں میں معمولی سرسراہٹ پر وہ باخبر ہو جاتا اور اُسے ایسا محسوس ہوتا کہ زیتبہ جھاڑیوں سے نمودار ہو کر پانی کی طرف بڑھ رہی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن یہ محض قیاس تھا۔

شہباز نے کھڑے رہنا مناسب خیال نہ کیا۔ اس لئے وہ نہر کے کنارے بیٹھ کر بہتے ہوئے پانی سے اٹکھیلیاں کرنے لگا۔ گو اس کے کان اور آنکھیں اس جانب متوجہ و منتظر تھیں۔ جس جانب سے اگلے روز زیتبہ نمودار ہوئی تھی۔

دفعتاً زیتبہ جھاڑیوں کے پیچھے سے نمودار ہوئی۔ اس کا نسوانی حُسن سادہ کپڑوں کے اندر سے چھن چھن کر اس قدرتی ماحول کو منور کر رہا تھا۔ سبز جھاڑیاں نہر کی پیچ پیٹری۔ نیلگوں پانی اور صبح کا سماں یہ ایسی چیزیں تھیں جو زیتبہ کی خوبصورتی کو چار چاند لگا رہے تھے۔ ایسا جان پڑتا تھا کہ قدرت نے اپنی فرصت اوقات میں اس بت کو تراشا ہے یہ بھی گمان ہوتا تھا کہ قادر مطلق اس تخلیق کو کسی انعامی مقابلہ میں پیش کرنا چاہتا ہو گا۔ شہباز گوناگوں خیالات میں اُلجھ کر رہ گیا تھا۔ اور اس کے لبوں پر مہر سکوت تھی۔ وہ ایک ساکت بت بنا کھڑا رہا۔ اُس کی قوت گویائی مضمحل ہو چکی تھی۔ آخر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

قادر مطلق کی اس نسوانی تخلیق سے ہم چشم ہوا۔

س۔۔۔۔۔۔ل۔۔۔۔۔۔ا۔۔۔۔۔۔م۔۔۔۔۔۔

شہباز کی زبان میں لکنت عود کر چکی تھی۔ اور جسم لرزش محسوس کر رہا تھا۔ "سلام" اور زیبہ مسکرا دی۔ اس مسکراہٹ سے اس کے موتیوں جیسے دانت ایسے دکھائی دئے جیسے ساون کے سیاہ بادلوں کے اندر رات کی بھیانک تاریکی میں بجلی کوندتی ہے۔ شہباز نے سر کی جنبش سے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

زیبہ نے پہلے ہری پٹڑی کو ایک سرے سے دوسرے تک دیکھا وہ کچھ خایف سی نظر آ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں نسوانی شرم و حیا رقصاں تھی۔ ابھی تک اس کو دور حاضرہ کی دوشیزاؤں کی مصنوعی سج دھج و بے حیائی و دیدہ دلیری سے شناسائی نہ تھی۔ وہ تو اپنے قافلہ کیساتھ ایک محدود دنیا کی ساکن تھی۔ اس کی خوبروئی کے قدرتی مناظر۔ صبح و شام اور چاند ستارے ہی واح تھے وہ ایک عصمت مآب جنگل کی شہزادی تھی۔ جس کا دل شیشہ سے بھی زیادہ منور و شفاف تھا۔ وہ دنیا کی آلایشوں سے پاک قابل رشک سادہ زندگی بسر کر رہی تھی۔

زیبہ کچھ جھجک کے بعد مؤدب بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھیں نیچے گڑی ہوئی تھیں۔ شہباز نے خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا "آپ کا قیام"

"قیام کس کو نصیب۔ میرے والدین خانہ بدوش ہیں۔"

"کام"

"بھیڑ بکری پالتے ہیں اور اسی پر گذر اوقات ہے۔ چراگاہوں کی تلاش میں آج یہاں تو کل وہاں"

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

"یہاں کتنے دن"
"یہی ایک آدھ دن اور"

شہباز پر گویا بجلی سی گری۔ اُسے ایسا محسوس ہوا کہ اُس کی زندگی کوئی قیمتی چیز زبردستی کوئی چرا کر لے جا رہا ہے۔ اس نے تشویش آمیز نظروں سے زیبہ کی طرف دیکھا۔ ان نظروں میں تشویش کے قطع نظر ایک شکوہ تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مجبوری اور اجنبیت کی دیواریں اس کی آنکھوں کے سامنے اُبھرتی ہوئی معلوم ہوئیں۔ چند ہی لمحوں میں یہ دیواریں اس قدر استوار و مستحکم ہوتی نظر آئیں کہ وہ اُن کے پرے کچھ دیکھنے سے قاصر دکھائی دینے لگا۔

شہباز کی اس بے بسی و خاموشی کو زیبہ سمجھنے سے معذور تھی وہ معنی خیز نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن اس عقدہ کا سمجھنا اس کی عقل ناقص کے ادراک کے بیرون تھا۔ وہ ایک پاکباز معصوم دوشیزہ تھی جس کے بے داغ دل نے عشق کے کانٹوں کی خلش کو ابھی ہمنوا نہ بنایا تھا۔

آسمان ابر آلود ہو گیا اور بادلوں کی سرگوشیاں بارش کی صورت میں رونما ہوئیں۔ شہباز کو پناہ کیلئے کوئی جگہ میسر نہ آ رہی تھی۔ زیبہ نے خجالت سے گھبرا کر۔ اور کچھ دیر آم کے درخت سے لگ کر کھڑا ہونے کی کوشش کی۔ شہباز بھی اُس درخت کے تنے سے ایک طرف لگ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ ایکدوسرے کو کنکھیوں سے دیکھ رہے تھے۔ بارش کا طوفان تیز تر ہو رہا تھا۔ دونوں بھیگ رہے تھے۔ زیبہ کے کپڑے بھیگ کر اُس کے جسم سے چمٹ گئے تھے۔ اور اُس کے جسم کی بناوٹ نیم برہنہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

نظر آرہی تھی ۔ اُس کا جسم نہایت سڈول و پرکشش دکھائی دے رہا تھا۔
"بارش تیز تر ہوتی جا رہی ہے آپ ہمارے خیمہ میں چلئے" زیبہ نے دھیمی آواز میں کہا ۔

"آپ کے والدین ؟"

"آپ کا مطلب ؟"

"ایک اجنبی کو دیکھ کر ...."

"آپ بے فکر رہیئے"

شہباز دل ہی دل میں اِس پیش کش پر بڑا خوش تھا ۔ کہ زیبہ کے والدین سے بھی اُس طرح بھینٹ ہو گی اور اُن کے اطباع سے اُسے واقفیت حاصل ہو گی ۔ اور شائد یہ قرابت بہتری کی حائل ہو ۔ وہ چپکے سے زیبہ کے پیچھے ہو لیا ۔ ....

خیمہ نزدیک ہی تھا ۔ خیمہ بھی کیا تھا ۔ چار ۔ پانچ آدمی مشکل سے اُس میں سما سکتے تھے ۔ شہباز کو دیکھ کر زیبہ کا باپ احترام سے اُٹھ بیٹھا ۔ خیمہ میں ایک چارپائی پڑی تھی ۔ اس پر ایک سیاہ رنگ کا کمبل بچھا دیا گیا اور شہباز اس پر بیٹھ گیا ۔ زیبہ نے خیمہ کے ایک کونہ میں جہاں چولھا تھا ۔ گھڑا رکھ دیا ۔ اس کی والدہ چولھے پر کچھ پکا رہی تھی اس نے شہباز کو اندر داخل ہوتے دیکھ لیا تھا ۔ لیکن وہ اپنے کام میں اس طرح مشغول دکھائی دیتی تھی ۔ کہ اسے خیمہ میں آنے والے و دیگر واقعات سے قطعاً سروکار نہ تھا ۔ تھوڑی دیر کے بعد زیبہ ایک بڑے کٹورے میں دودھ لئے شہباز کی طرف بڑھی ۔ اور کٹورا شہباز کی طرف بڑھایا ۔ شہباز نے تکلف کے طور پر ایک دو بار انکار کیا ۔ لیکن زیبہ کے والد کے اصرار پر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کٹورا ہاتھ میں لے لیا۔

شہباز کو ان لوگوں کے بے تکلفانہ رویّہ سے ایسا محسوس ہُوا۔ کہ یہ لوگ مہمان نوازی کی صلاحیت بدرجہ اتم رکھتے ہیں۔ ان لوگوں کی بے لوث زندگی دنیا کے شور وشغب۔ کینہ پروری۔ بغض ومکاری۔ دروغ گوئی۔ ریاکاری ودیگر آلائشوں سے مبرّا ہے۔ ان کو سیاسیاتِ عالم سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ ان کے چہرے تفکّراتِ عالم سے بے بہرہ تھے۔ ان کی ضروریاتِ زندگی محدود تھیں۔ اگر حلقہ احباب محدود تھا۔ تو عدو کا بھی نام ونشان نہ تھا۔ ان کے مونس وہمدم ماہ ومہر اور شام وسحر تھے۔ یہ لوگ قدرت کی گود میں پیدا ہو کر اشجار کے قدرتی گہوارہ اور جھولوں میں پروان چڑھ کر۔ کھلی چراگاہوں میں شباب کی انگڑائی لے کر عشقِ حقیقی کا حظ اٹھانے کے بعد پیری میں شباب کا ہوش وتازہ گی لئے خدا کو پیارے ہو جاتے ہیں۔ ان کی زندہ گی ایک کھلا باب ہے۔ جس میں آج کل کے انسان کا ماڈرن پالٹیکس کا باب اندراج نہیں کیا گیا ہے۔ یہ سب لوگ بڑے خلیق اور ہنس مکھ تھے۔ شہباز کو ایسا محسوس ہو رہا تھا۔ کہ وہ آج تک بے لاگ وبے لوث محبّت کے حظ سے محروم ہی تھا۔ چاہیئے وہ والدین کی محبّت تھی۔ چاہیئے وہ دیگر عزیز واقارب کی تھی۔ موخرالذکر میں اُسے مصنوعات کا شک گزر رہا تھا۔

ان لوگوں کی زندگی کو تلخ کرنے والا کوئی عنصر تھا تو جیسا کہ زیبہ کے والدین نے ایک سرد آہ بھر کر کہا۔۔۔۔۔ وہ تھا محکمہ جنگلات وتال کا رسوا زمانہ عملہ اور دیہاتی کھوڑ پنچ جو چراگاہوں کے استعمال میں رکاوٹ ڈال کر ان سے گھی۔۔۔ دودھ۔۔۔ مکھن اور نقدی حاصل کرتے تھے۔ اس طرح جب ان کی ہوس سیر نہیں ہوئی تھی تو انسانی نہو۔ بیٹیوں کی پاک زندگی و

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

عصمت کو شہوانی جذبات کی بھینٹ کر دیتے تھے۔ ورنہ ان کی عصمت مآب دوشیزائیں خوبروئی اور پاکدامنی میں حوران جنت کے لیے بھی باعث رشک تھیں۔ باوجود ان خام چہرہ دستوں کے جو مہذب انسانوں اور ارباب اختیار کی طرف سے ان فرشتہ سیرت انسانوں پر روا رکھی جاتی تھیں۔ ان کی زندگی حقیقت۔ پاکبازی و انسانیت کی صحیح نمائندہ تھی۔ یہی چند باتیں ہیں۔ جو اس انسانی زندگی کو تقدس بخشتی ہیں۔

شہباز کو زندگی میں پہلی بار انسانی جذبات کی صحیح تصویر ملی تھی۔ ورنہ شہر یا قصبہ کے اندر انسانیت سوز کاروائیاں دیکھ کر ایک حلیم الطبع و شریف النفس انسان کتنا کبیدہ خاطر ہوتا ہے۔ ماڈرن انسان جس کو شہر میں بسنے کا شرف حاصل ہے کی پوشش و خوراک میں مصنوعات کو حد درجہ دخل حاصل ہو چکا ہے۔ اور یہی تاثرات اس کے باطن میں شفقت۔ وفاداری۔ دیانتداری جیسے نیک انسانی اوصاف کو مصنوعی دنیا بنانے میں حد درجہ کامیاب ہو گئے ہیں۔

شہباز اس ماحول میں بالکل کھو گیا تھا۔ اُسے یہ لوگ فرشتوں سے بھی زیادہ بلند مرتبہ دکھائی دے رہے تھے۔ یہاں انسانی صفات زیادہ اور برائیاں کم نظر آ رہی تھیں۔ اتنے میں شہباز کی نظر کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی جانب پڑی۔ یہ دس بجا چکی تھی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ لیٹ ہو گیا تھا۔ اُسے روزی کا فکر لاحق تھا۔ نوکری سے برطرف کئے جانے کا خطرہ تھا۔ لیکن اس کا دل اُٹھنے کو نہ چاہتا تھا۔ اس کے دل میں زیبہ کے والد کے لئے انتہائی عقیدت پیدا ہو چکی تھی۔ ادھر زیبہ کبھی والد اور کبھی شہباز کی طرف کنکھیوں سے دیکھ رہی تھی۔ زیبہ کے والد بھی اپنے کار خانگی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سے فارغ ہو کر سامنے آ بیٹھی تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دودھ کا خالی کٹورہ نیچے زمین پر پڑا تھا لیکن شہباز اب بھی اس کی بھینی بھینی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سوندھی سوندھی خوشبو کا حظ اُٹھا رہا تھا۔

"اچھا میں چلتا ہوں۔ بارش تھم چکی ہے۔" شہباز نے با دل نخواستہ چارپائی سے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"اچھا بابوجی خدا آپ کی عمر دراز کرے"

شہباز کمرہ خیمہ سے باہر نکل گیا۔ زینب خیمہ سے باہر آئی۔ آہستہ سے شہباز کو سلام کیا۔ اور پھر خیمہ کے اندر چلی گئی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

شہباز چاہتا تھا کہ وہ اس چھوٹے سے قافلہ میں شامل ہو کر اس کی تعداد نفوس میں اضافہ کرے۔ لیکن والدین اس امر کی اجازت کب دیتے۔ پھر یہ زندگی کا وہ شش کی تھی اُسے زینب کا خیال آتا تو وہ سوچتا کہ زینب کی رفاقت میں تمام کٹھنائیاں حرف غلط کی طرح مٹ جائیں گی۔

شہباز کی یہ رات بھی خیالات کے اُلجھاؤ میں گذری۔ وہ صبح کا منتظر تھا۔ اس لئے مصمم ارادہ کر لیا کہ وہ صبح زینب کے والد کو صاف صاف کہدیگا کہ وہ زینب ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ! ۔ ۔ ۔ ۔ اس کے بعد کے الفاظ کا سلسلہ کسی خدشہ کے پیش نظر منقطع ہو گیا۔ اور چند منٹ خاموش رہنے کے بعد دوسرے پہلو پر دل ہی دل میں تبصرہ شروع کر دیا ۔ ۔ ۔ ۔

صبح ہوئی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دنیا کو نوید عمل ملا۔ تو شہباز بھی متجسس نگاہوں کے ساتھ اپنے مرجع کی طرف بڑھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ وہ جگہ تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جہاں نہر کے کنارے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس کی زندگی کا ایک نیا باب کھلا تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آج فضا میں پُر اسرار سکوت تھا۔ نہر کا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

پانی خنک تھا۔۔۔۔۔۔۔ پرندوں کی چہچہاہٹ عنقا تھی۔۔۔۔
نہر کی پگڈنڈی سونی سونی تھی۔ شہباز نے کچھ دیر انتظار کیا۔۔۔۔
جھاڑیوں میں کسی کے پاؤں کی آہٹ کا وہم بندھا تھا۔۔۔۔۔ کانوں
کو ہوشیار کیا تاکہ وہ معمولی سی سنسناہٹ کو بھی بخوبی سن سکیں
۔۔۔۔ لیکن جھاڑیاں بالکل ساکت کھڑی تھیں۔۔۔۔۔ کافی
دیر انتظار کیا۔۔۔۔ مگر۔۔۔۔۔ وہاں سوائے سکوت و خاموشی
کے کچھ نہ تھا۔ شہباز نے خیمہ کی جانب کا رخ کیا۔ خیمہ! اب وہ
خیمہ کہاں تھا۔۔۔۔۔ یہ مختصر سا قافلہ کسی نامعلوم جگہ کو جا چکا
تھا۔۔۔۔۔ وہاں سوائے چولہے کی راکھ۔۔۔۔ ادھر جلی لکڑیوں
اور یاس و حسرت کے کچھ نہ تھا۔

شہباز نے ایک لمبی سرد آہ بھری۔۔۔۔ اور دل ہی دل
میں کہا۔

"انسان خانہ بدوش ہے"

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ٹانگے والا

رحیم یوں تو بلوچستان کا رہنے والا تھا۔ لیکن اوائل عمر میں ہی وہ پنجاب چلا آیا تھا۔ پنجاب میں آجانے کے کچھ عرصہ بعد ایک انگریز ولیم کے ہاں اُسے پرائیویٹ ملازمت مل گئی۔ ولیم بڑا خوش خُلق۔ راست باز۔ اور دیانتدار شخص تھا۔ وہ ضبط کا بڑا پابند تھا۔ رحیم نے چند ہی سالوں میں کافی نیک صفات صاحب سے حاصل کریں۔ صاحب کے اندر احساس برتری نہ تھا۔ وہ کم وبیش مساوات کے اصولوں کا پابند تھا۔ ۱۹۴۷ء کا موسم گرما آیا تو صاحب نے پنجاب کی مکدر فضا سے نکل کر کشمیر کی پر فضا وادیوں میں چلے جانے کے عزم کیا۔ ان دنوں پنجاب کا سیاسی آسمان بھی صاف نہ تھا۔ انسانیت کے بجائے حیوانیت کا تسلط قایم تھا۔ فرقہ پرستی نے جناب کشائی کر کے خون کی ہولی کھیلنی شروع کر دی تھی۔ صدیوں سے اکٹھے رہنے والے انسان آج ایکدوسرے سے نالاں تھے۔ اس ہولناک بربریت کی قربانگاہ پر معصوم بچوں اور بے گناہ مستورات کی اندھا دُھند بھینٹ ہو رہی تھی۔ عصمت مآب دیویوں کی عُصمت کا کوئی ضامن نہ تھا۔ لوٹ و مار۔ قتل و غارت اور عصمت دری شیوۂ انسانی بن چکا تھا۔ سماج نے شرم وحیا اور انسانیت و اخلاق جیسے الفاظ کو اپنی لغت سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا تھا۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

یہ کہنا کہ اس گرداب کے اندر کون کون حصہ لے رہا تھا۔ محض ایک مصنوعی نمود تھی۔ اس وقت اچھے برے۔ بھائی بھائی۔ پڑوسی پڑوسی اور عزیز و اقارب میں کوئی تمیز نہ رہی تھی۔ یہ سب کس لئے ہو رہا تھا؟ ملک آزاد ہو رہا تھا۔ اور....... ہندوستانی خود اس ملک کے حصے ونکڑے کر کے مالک و حاکم بن رہے تھے۔

ابھی ولیم کو کشمیر آئے تھوڑے ہی دن ہوئے تھے کہ ایک صبح ولیم نے رحیم کو پاس بلا کر کہا۔ کہ "دیکھو۔ رحیم! ہم ولایت جائیگا..... "تم کہاں رہے گا"

"صاحب کیوں؟" رحیم نے متحیر ہو کر پوچھا۔

"تمہارا ملک آزاد ہو گا"

"تم ہندوستانی بھائی بھائی کا خون کرتا۔ غیر کو کب چھوڑے گا؟"

رحیم چپ ہو گیا۔ یہ ہندوستانی اتہاس پر حملہ تھا۔ جو بردباری۔ مہمان نوازی۔ اخوت و یک جہتی کے ابواب سے بھرپور تھا۔ اور اس کی جوازیت و صداقت کے لئے یہ ایک کھلا چیلنج تھا۔ رحیم گو ان پڑھ تھا۔ لیکن وہ اس قدر ضرور جانتا تھا کہ یہ رام و کرشن۔ مہاتما بدھ و وردھمان مہاویر۔ چشتی۔ علامہ اقبال۔ ٹیگور۔ مہاتما گاندھی اور جواہر لال نہرو کا مسکن ہے۔ یہاں دن رات مساوات کا نعرہ لگتا آیا تھا۔ لیکن اس وقت وہ اتہاس یاد ماضی بن رہا تھا۔

دوسری صبح صاحب نے رحیم کو سامان باندھنے کے لئے کہا اور چند ہی گھنٹوں کی تیاری کے بعد صاحب واپس جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ رحیم نے اشک آلود نگاہوں سے صاحب سے اپنے متعلق دریافت کیا تو صاحب نے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

رکھا وہ یہاں کشمیر میں ہی رہے۔ کیونکہ کشمیری عوام درس رواداری کا اعادہ کر رہے تھے۔ اور سختی سے اس اصول پر عمل پیرا تھے۔ جبکہ میدانوں میں خون کی ہولی مذہب و ایمان کے نام پر کھیلی جا رہی تھی۔

رحیم والدین یا عزیز و اقارب سے بہت دور تھا۔ درمیان میں ایک وسیع خلیج حایل تھی۔ جسکو عبور کر کے وطن پہنچنا اس کے لئے زندگی کی آہوتی دینے کے مترادف تھا۔ اس نے اپنے مالک ولیم سے سب کچھ سمجھ رکھا تھا۔ جو انسانی خون کے سفید ہو جانے کے وجہ سے آج اپنے ملک کو ...... جو ہزاروں میل دور...... سمندر پار...... تھا۔ ... رحیم کو صاحب پر رشک آرہا تھا..... لیکن وہ بے بس تھا

رحیم کو صاحب نے وداع ہونے سے قبل ایک ہزار روپیہ نقد کچھ بطور تنخواہ اور کچھ انعام دیا۔ اور خود اپنے ملک کو چل دیا۔ بس سٹینڈ پر سے بس کے جانے کے بعد رحیم کافی دیر تک بس کو دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں نے کافی دور تک بس کا تعاقب کیا۔ حتےٰ کہ وہ اس کی نظروں سے اوجھل ہو کر چلی گئی۔ وہ گم سم کھڑا رہا۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی جاری تھی۔ اُسے صاحب سے بدرجہ اُتم محبت و پیار ہو چکا تھا محبت و پیار کی خوشنما روشنی نے رنگ و نسل کی تیرگی کو خیرہ کر دیا تھا اور وہ ایکدوسرے کے انتہائی قریب ہو چکے تھے۔ لیکن آج اُسے اپنے نیچے زمین شق ہوتی معلوم ہو رہی تھی۔

رحیم پر یکدم غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ اس اتھاہ اندوہ اور فرقت کا احساس اُسے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ چند دن اسی طرح گذر گئے۔ آخر حسرت و بے دلی کی زندگی کو وداع کر کے دل میں عزم و استقلال کو

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

جگہ دیں ۔ سب سے پہلے مکان کی جستجو شروع ہوئی ۔

سرینگر کے گنجان شہر کے اندر ایک تنگ کوچہ کے نیم بوسیدہ مکان کی بجلی چھت کا ایک کمرہ بے شمار کوشش کے بعد دستیاب ہوا ۔ خواجہ صاحب نے کرایہ پندرہ روپیہ ماہوار سے کم وصول کرنے سے انکار کر دیا بجبوراً معاملہ طے کرنا پڑا ۔ خواجہ صاحب کا مکان اور کمرہ دنیا سے دور رہنے کے سوائے کسی دوسرے مقصد کا حامل نہ تھا ......

پانی کا نلکہ دو فرلانگ سے کم فاصلہ پر نہ تھا ۔ اس پر صبح و شام بھیڑ رہتی تھی ۔ رحیم کو کئی کئی گھنٹوں تک پانی کی ایک بالٹی کے لئے منتظر رہنا پڑتا تھا ۔ بازار سے سودا سلف لانا ایک کار عظیم تھا ۔ بازار ایک میل سے کم فاصلے پر نہ تھا ۔ پھر حفظان صحت کا تو یہاں سوال ہی نہ تھا ۔ دور حاضرہ کی ان قیود سے مبرا یہ ایک چھوٹی سی بستی تھی ۔ یہاں پیشاب و فضلہ کی موجودگی کو گلیوں میں معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا ۔ یہاں تک کہ صحن بھی اسی مقصد کے لئے استعمال ہوتے تھے ۔ اہالیان بستی اس بو سے مانوس ہو چکے تھے ۔ یہاں کے روز و شب مسلسل تاریکی کے حامل تھے ۔ پھر محکمہ بجلی کی ستم ظریفی دیکھئے کہ اس گلی کے لئے ایسے کم روشنی والے بلب استعمال کئے جاتے تھے ۔ جو دیگر جگہ دکھائی نہ دیتے تھے ۔ گمان ہوتا تھا کہ شاید خاص آرڈر پر بنائے گئے ہیں ۔

ارباب اختیار اس طرف متوجہ نہ ہوتے تھے ۔ اور ہوتے بھی کیوں ؟ ۔ انہیں تو لال چوک ۔ ہری سنگھ ہائی سٹریٹ ۔ امیرا کدل بڈشاہ ۔ ایمپوریم ۔ پولو گراونڈ ۔ ڈلگیٹ ۔ اور بلوارڈ کی فکر دامن گیر تھی یہاں اندرون ملک اور بیرون از ملک کے معزز مہمان وارد ہوتے تھے ۔ اور ان کی جاذب نظری کے لئے ان بستیوں کو آراستہ پیراستہ کیا جاتا تھا ۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

معزز مہمان سرینگر شہر کی یہی دلکش تصویر آئینۂ دل میں لے کر چلے جاتے تھے۔ سڑکوں کی کشادگی۔ صفائی۔ کاروں کی لگاتار پوں پوں بیسویں صدی کی نازنین جو صبح و شام حسن کی آرائش کر کے حریص آنکھوں کو عشق و محبت کی طرف مائل کرتی ہیں۔ شہر کا خاصہ حصہ ایسا ہے۔ یہاں حسن کی بہ کثرت نمائش ہوتی ہے۔ باہمی خوش گپیوں کا لامتناہی سلسلہ ہے۔ یہاں فکر و غم مفقود ہے۔ پوڈیم پر کھڑا ہونے والا سپاہی بھی اِن بازاروں میں ڈیوٹی دینا باعث فخر سمجھتا ہے۔ وہ شانِ بے اعتنائی سے کاروں سے نکلے ہوئے حسین ہاتھوں کا خندہ پیشانی سے جواب دیتا ہے۔

پھر ہیں کلب۔ سینما گھر۔ کیفے ہاوس۔ بال روم۔ چائے خانے اور .... یہاں کیا تھا .... ملک کے عوام کا نقشہ .... نہیں .... ہرگز نہیں .... یہ سراب تھا۔ سراسر دھوکا تھا .... یہاں کیا تھا .... ایک تصویر تھی .... تصوّر تھا .... تخلیق تھی .... مشیت ایزدی تھی .... لیکن .... پانی .... دریا منبع سے نکل کر اس کی قید و بند کو سراسر فراموش کر دیتا ہے۔ اور کناروں سے ٹکراتا ہوا۔ اٹکھیلیاں کرتا نکل جاتا ہے .... اور شائد .... انسانی زندگی .... بھی بعینہٖ ایسے ہی ماحول سے گذرتی ہے .... آغاز و انجام .... کی فکر .... اس کو چنداں پریشان نہیں کرتی .... لیکن ایک فرقہ ہے۔ جس کے لئے ہمدردی۔ دیانتداری۔ صبر و قناعت ننگ و ناموس۔ مذہب و دین۔ افراط و تفریط۔ سماج و دنیا۔ خدا و ایشور سب کیلئے احترام موجود ہے۔ اور وہ اسی ادھیڑ پن میں زندگی کی بہاریں پوری کر کے خبر گوشۂ لحد میں جاگزین ہوتا ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

رحیم کو پھر ذریعہ معاش کی فکر دامن گیر ہوئی۔ اس سے پیشتر وہ صاحب کے طفیل ان تمام تفکرات عالم سے بے بہرہ تھا۔ پیکر انسانی میں صرف دل ہی ایک ایسا عضو ہے۔ جو انسان کو خوشی و غم۔ اور فکر فردا سے باخبر رکھتا ہے پھر ہے دماغ جو ادراک کا احساس پیدا کرتا ہے۔ دل و دماغ یکجا ہونے سے انسانی زندگی کا لمحہ لائحہ عمل ظہور میں آتا ہے۔..... تو رحیم کے دل و دماغ نے اس کو ایک ہزار روپیہ کے اندر کوئی کاروبار کرنے کی تحریک کی۔ اس نے سوچا کہ دوکانداری تو آج کے زمانہ میں مشکل ہے۔ پھر چھوٹا موٹا کاروبار اس قدر قلیل رقم سے چالو ہو نہیں سکتا۔ اور پھر ایسا ذریعہ نظر نہ آیا۔ جس سے وہ مالی امداد حاصل کرتا۔ سرکار سے مالی امداد حاصل کرنے کے سادھن اس کے پاس تھے ہی نہیں

اور ایک دن جب رحیم اس فکر میں تھا...... رحمان نے تجویز رکھی کہ وہ ایک ٹانگہ خرید کرے...... رحیم کو تجویز معقول نظر آئی

ایک ہزار روپیہ میں ٹانگہ خرید لیا گیا۔ سیاہ رنگ کا گھوڑا...... درمیانہ درجہ کا ٹانگہ...... پھر ساز و سامان بھی کوئی خاص پرانا نہ تھا...... طرہ یہ کہ ٹانگہ چلانے کے لئے نہ کوئی لائسنس چاہیئے تھا۔ اور نہ ہی کوئی خاص تربیت کی ضرورت تھی۔

گھوڑے کا نام رحیم نے لاڈ و پیار کے طور پر جمبو رکھ لیا۔ یہ جاندار نہایت وفادار و فرمانبردار تھا۔ رحیم کو اس کی آنکھوں میں ایک ایسی بے غرضانہ الفت کی جھلک نظر آتی تھی۔ جو شاید بیسویں صدی کے انسان کو ودیعت نہیں ہوئی ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد رحیم بالکل بھول گیا۔ جمبو

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ایک حیوان ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ ایک بے زبان جانور ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
سچ تو یہ ہے کہ جب انسانیت نفرت و حقارت و بوالہوس میں تبدیل ہو جاتی ہے تو انسان حیوانوں کے اندر پیار و محبت کا متلاشی دکھائی دیتا ہے اور انجام کار انہی کو اپنا رفیق سمجھتا ہے ۔

رحیم کا مونس و ہمدم جمبو ہی تھا اور جمبو تھا کہ سردی و گرمی میں مالک کے ساتھ رہتا تھا ۔ جنوری و فروری کی سرد راتیں رحیم و جمبو کے لئے یکساں تھیں ۔ نصف شب تک رحیم سواریوں کی تلاش میں سرگرداں رہتا ۔ سڑک کی ایک طرف جمبو کو کھڑا کر کے وہ سواریوں کا منتظر رہتا ۔ جب اپنے کھانے کے لئے اور جمبو کے چارہ کے لئے پیسے مل جاتے تو وہ دونوں تاریک کمرہ میں رات بھر کے لئے آرام کے لئے چلے جاتے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس طرح زندگی کے چوبیس گھنٹے پورے ہو جاتے ۔

تاریک کمرہ کے ایک طرف رحیم کی آرام گاہ تھی ۔ اور دوسری طرف جمبو کا مسکن تھا ۔ ایک کے لئے دوسرے کی جدائی ناممکن تھی ۔ جتنی دیر رحیم کھانا پکانے میں لگا رہتا ۔ اتنی دیر جمبو بھی چارہ کو منہ نہ لگاتا ۔ جب رحیم کھانا کھانے بیٹھتا تو جمبو بھی چارہ کھانا شروع کر دیتا تھا ۔ جب رحیم نیند کی آغوش میں چلا جاتا تو جمبو بھی آنکھیں بند کر کے نیند کو خوش آمدید کہتا ۔ اعلے الصبح رحیم پھر دن بھر کے لئے مستعد ہو جاتا ۔ اگر کسی دن رحیم معمول سے زیادہ دیر سویا رہتا ۔ تو جمبو اپنی ہنہناہٹ سے اسے باخبر کر دیتا ۔ اس وقت ایسا ظاہر ہوتا تھا کہ ہر دو کے درمیان پردہ غیرت اُٹھ چکا تھا ۔ جمبو کے اندر ایک نیا انسانی شعور پیدا ہو چکا تھا ۔ اور اس کی ذات رحیم کی ذات میں محو ہو چکی تھی ۔ ان کے باہمی میل سے ایسا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ظاہر ہوتا تھا کہ انسانیت کی عظمت محض نمایشی ہے۔

رحیم کو صبح سے شام تک، اور پھر کافی رات گئے تک انسانوں کی بیشمار شکلوں اور مختلف الطباع سے واسطہ پڑتا۔ ان میں ہر جنس شامل تھی۔ اور پھر کچھ امیر تھے تو کچھ غریب تھے۔ اکثریت اُن لوگوں کی ہوتی تھی جو متوسط درجہ سے تعلق رکھتے تھے۔ کچھ چہرے ہشاش بشاش تھے تو کچھ پُرحسرت تھے۔ کہیں آنسو ہی آنسو تھے۔ تو کہیں قہقہے ہی قہقہے تھے۔ لیکن ان لوگوں کی ذاتیات سے اُسے چنداں سروکار نہ تھا۔ وہ یہ تمام نظارے محض ایک خاموش مصور کی حیثیت سے دیکھتا تھا۔ وہ ایک مصور تھا۔ جس کو محض قیاسی تصویریں بنانے کی اجازت ہو اور ان کی عکاسی اس کے دل و دماغ تک محدود تھی۔

کئی بار اس کے ٹانگہ میں کوئی شکیل جوڑا آبیٹھتا۔ بیوی کا تقاضا ہوتا۔ نائیلن کی ساڑھی اور نیا اوور کوٹ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پھر کلب اور بال روم کی باتیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مہکی مہکی سیاہ زلفوں کی خوشبوئی تمام فضا کو معطر کر دیتی تھیں۔ جب یہ خوش قسمت جوڑا منزل پر پہنچکر ٹانگے سے اُتر کر سڑک پر خراماں چلتا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تو رحیم للچائی ہوئی نظروں سے دور تک ان کا پیچھا کرتا ۔ ۔ پھر اُس کی اندرونی آنکھ کئی لمحات تک اس خوش نما منظر کو سامنے دیکھتی۔ وہ اس عالم میں اپنے آپ کو بھی کھو دیتا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حتیٰ کہ جمبو کی ٹاپ اس کو چونکا دیتی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ باگ کو سنبھالتا۔ سپنوں کی دنیا سے پھر ایک مادی عمل دنیا پر اُتر آتا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ ایک لمبی سرد آہ بھر کر رہ جاتا ۔ ۔ ۔ ۔ پھر فکر معشیت در پے ہوتا تھا ۔ ۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کبھی کبھی لیڈرانِ وطن میں سے کچھ ٹانگہ کی شان کو دوبالا کرتے۔ گاندھی ٹوپی۔ کھدر کی پوشاک اور وطن کا درد پنہاں ان کی گفتگو کا موضوع بالکل مختلف ہوتا تھا۔ ان کی باتیں سن کر رحیم حیران ہو کر سوچنے لگتا کہ دلیش و قوم کا کسی قدر بوجھ ان کے کندھوں پہ آن پڑا ہے۔ انہوں نے ملک کو لازوال قوت آزادی بخشی۔ ملک کے جاہل عوام کو زیور تعلیم سے مزین کیا۔ ہر ایک متنفس کو فکر معاش سے بے نیاز کر دیا۔ ملک کو ہر بات میں خود کفیل بنا دیا۔ بنی نوع انسان کے یکجہتیت کا سبق دیکر فرقہ پرستی کو صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا۔ ان لوگوں نے ملک کے عوام کو اقتصادی بدحالی وغیرہ ملکی غلامی سے نجات دلائی۔ لیکن خود نفسانی لذوت یا حصول مال و دولت سے عاری رہے ...... ان کی گفتگو ابھی جاری ہی ہوتی ہوتی تھی ...... کہ منزل قریب آجاتی ...... رحیم اسے آگے لیڈر صاحب کے تیاگ اور تپ کی نسبت جاننے سے محروم رہ جاتا۔ اس کو اس بات کا بڑا اشتیاق گذرتا۔ لیکن ...... مجبوری ...... لاچاری و بے بسی اسے ہمیشہ چپ یا دونی دینی رہتیں تھی۔

کبھی ابھری ہوئی توندوالے بیوپاری ٹانگہ میں آوارد ہوتے بجمو بھرائے بھرتا اور اپنی رانوں کو پورا زور لگاتا۔ گردن کو پورا اچھاله اور تنا دیتا ...... وہ پسینہ میں شرابور ہو جاتا ...... وہ حیران ہو کر اپنی عینک کے نیچے سے ان گرانڈیل اصحاب کو دیکھنے کی کوشش کرتا ...... لیکن ...... وہ انہیں مکمل طور پہ دیکھ نہیں سکتا تھا۔ یہ لوگ بھی زمانہ کے ہاتھوں شاکی تھے۔ یہ لوگ کچھ پرمٹوں کی نسبت باتیں کرتے تھے۔ گاڑی کا پرمٹ۔ سبزی کا پرمٹ۔ گھی کا پرمٹ۔ بلیڈوں کا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کا پرمٹ.. گندم کا پرمٹ ۔ دالوں کا پرمٹ ۔ دھاگے کا پرمٹ ۔ دھاگے کا پرمٹ بلکہ زندگی کی ہر ضرورت کا پرمٹ....... اور پھر رحیم پر رعشہ ساطاری ہو جاتی اس کے بال کھڑے ہو جاتے....... اور وہ سوچتا ہے....... زندگی کا پرمٹ....... سائنس دان کی کھوج جاری ہے ۔ اور شائد زندگی کا بھی پرمٹ حاصل کرنا ہوگا ۔ لیکن اس کی قیمت بتہ نہیں کیا ہوگی ۔ اور پھر اس جیسے انسانوں کیلئے جن کیلئے خود زندگی وبال جان ہے ۔ تو پھر ایسے انسانوں کو پرمٹ کی کیا ضرورت ہوگی ۔ اس پرمٹ کی ضرورت انہی لوگوں کو ہوگی ۔ جو قوم کے ناخدا ہونے کا دم بھرتے ہیں.......

رحیم نے سوچا وہ تو ایک ناچیز و حقیر تانگہ بان ہے ۔ اس کا م ہے ان لوگوں کو جن کی زندگیاں قیمتی ہیں ۔ جن کے اوقات قیمتی ہیں ۔ جن کے دم سے ملک زندہ ہے ۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ بآرام لے جانا پھر اپنے ٹھوا چھبو کے ساتھ تاریک کونہ میں گمنام زندگی بسر کرنا ۔ جیئے تو کسی کو خوشی نہیں ۔ مرگئے تو کسی کو غم نہیں ۔ وہ زمین پر بوجھ نہیں اور کیا ہے ؟

رحیم کو ان سڑکوں پر گھومتے کم و بیش تیرہ سال بیت چکے تھے ۔ اس نے کشتیٔ زندگی کو ہمیشہ حوادث زمانہ میں متزلزل پایا ۔ وہ اس بحر بیکراں میں اطمینان قلب حاصل نہ کر سکا ۔ اس نے دنیا کے رموز کو سمجھنے سے اپنے آپ کو قاصر پایا ۔ اس وسیع خلا کے اندر سوائے چھبو کے اس کا کوئی غمگسار نہ تھا ۔ چھبو گو ایک بے زبان جاندار تھا ۔ لیکن اس کی چمکتی آنکھیں اور ہنہناہٹ ہی ایسی چیزیں تھیں ۔ جو اس جذبات کی عکاسی کرتی تھیں ۔ مگر رحیم کے تسکین قلب کے لئے یہ ناکافی احساسات تھے ۔ انسانی تسکین کے لئے انقلاب طبع ضروری ہے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ورنہ محبت و اُلفت کا آفتاب یک طرفہ حس سے مستور و محجوب ہو جاتا ہے۔ چمبو کی چمکدار بڑی بڑی آنکھیں اس کے اندر کے جذبات کو رحیم پر منکشف نہیں کر سکتی تھیں۔ نہ ہی رحیم کی فہم رسائی چمبو کے دماغ تک ممکن تھی۔ اگر کسی حد تک تھی بھی تو اس کا آئینہ مکدر تھا۔ اس کا عکس آئینہ کے اندر ہویدا نہ تھا۔

رحیم چمبو کی خدمات کا معترف تھا۔ اُس نے رحیم کے لئے جادۂ روزگار کو ہموار کر دیا تھا۔ لیکن رحیم کے دل کے اندر ایک خلش تھی۔ جو چمبو سے مخفی تھی۔ وہ پر اسرار تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

رات بڑی بھیانک تھی۔ تاریکی تھی کہ فرشتہ اجل بھی اس سے خائف ہو کر اپنے مسکن سے باہر آنے کی جرأت نہ کر رہا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
لیکن رحیم آج سارا دن کچھ نہ کما سکا تھا۔ وہ اُس اُمید کے سہارے میونسپل شیڈ کے نیچے پناہ لئے تھا۔ کہ شاید کوئی سواری ملجائے اور چارہ کے اخراجات پورے ہو سکیں۔ آسمان ابر آلود تھا۔ اتنے میں موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ اس کے بعد برف باری۔ بادل کی گرج سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ چمبو نے ہنہنانا شروع کر دیا۔ رحیم سمجھ گیا کہ وہ دراصل گھر جانا چاہتا ہے۔ خود رحیم کے ہاتھ بھی شل ہو رہے تھے۔ وہ مٹھیاں بند کر کے ہاتھوں کو گرم کرنے کی خاطر پھونکیں لگاتا۔ لیکن خود اندر سے آنے والا سانس بھی خنکی اختیار کر چکا تھا۔ اس کا جا بجا پھٹی ہوئی اونی لوئی جس نے سالہا سال اس کا ساتھ دیا تھا۔ اب کچھ فرائض کی مکمل ادائیگی سے مجبور دکھائی دے رہی تھی۔ اس میں سوراخ کافی ہو چکے تھے۔ ان سوراخوں سے چھن

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

چھن کر ہوا رحیم کے جسم کو چیرتی ہوئی نکل جاتی تھی ۔
جب کافی دیر تک کوئی سواری نہ آئی ۔ تو رحیم نے بھاگ اُٹھائی اور جمبو کو پچکارا ۔ "چل رے بیٹا" ۔ برف کے گالے سیدھے جمبو کی پیشانی کو چھوتے تھے ۔ لیکن وہ تھا کہ کمال بے اعتنائی سے گھر کی طرف گامزن تھا ۔ اُدھر رحیم عجیب سوچ میں مستغرق تھا ۔ اُسے یہ بھی معلوم نہ تھا ۔ کہ وہ کس جگہ یا کس محلہ یا بازار میں پہنچے ہیں ۔ ابر کی گرج کے ساتھ بجلی کی چمک میں وہ راستہ دیکھتا ۔ ورنہ جمبو ہی اس کا قطب نما تھا ۔ ۔ ۔ ۔ بجلی کی معمولی چمک کے بعد پھر ظلمت تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور بھیانک رات ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اُسے لال چوک کے ایک طرف کمبل میں ملبوس ایک دوکان کے چھجے کے نیچے سے کوئی انسانی جسم اُبھرتا دکھائی دیا ۔ رحیم نے ٹانگہ ایک طرف کر لیا ۔ اس کو اس وقت سنتری کی سیٹی و گالی گلوچ کا خطرہ نہ تھا ۔ اس وقت تمام شہر برف میں نہایا ہوا سنسان پڑا تھا ۔ باوجود بسیار انتظار کے یہ مجسم ٹانگہ تک نہ پہنچا ۔ بازار میں بجلی تھی نہیں ۔ رحیم کو شک گذرا ۔ کوئی پاگل ہوگا ۔ ۔ ۔ ورنہ ایسی سرد رات میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کھلی جگہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کون بیٹھیگا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ؟

رحیم نے لگام پر ہاتھ مارا ۔ جمبو نے بمشکل ٹاپ اول ماری ہوگی جب رحیم کے کانوں میں ایک خفیف آواز پہنچی ۔

"اے ٹانگے والے ؟"

رحیم چونکا ۔ اُس نے لگام کھینچ لی ۔ جمبو کھڑا کا کھڑا رہ گیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ آواز سڑک سے بمشکل دس گز دور نہ تھی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

رحیم اس طرف لپکا - عین اُس وقت بجلی چمکی - رحیم نے دیکھا وہ تو کوئی بد نصیب عورت تھی - جو برابر کسی درد جسمانی کیوجہ سے کراہ رہی تھی - وہ کبڑا ہونے عاجز و قاصر تھی - رحیم ششدر و حیران رہ گیا - کہ اس بھیانک رات میں ایک تنہا اور پھر مریض عورت.....
پھر موسم . . . . - جو ہمت مند و جسیم جانداروں کے خون کو بھی منجمد کر رہا تھا . . . . .

"بی - بی جی آپ کہاں جائینگی ؟"

"جہاں سے دنیا دار واپس نہیں آتے" اس جواب میں بلا کی بے دلی تھی -

" آپ کا مطلب "؟

" مطلب ؟ میرا مطلب بالکل صاف و عیاں ہے - "

اس کے بعد وہ عورت زار و قطار رونے لگی - رحیم کی استعداد اس عقدہ کے سمجھنے میں کوئی امداد نہ کر سکی -

اس نے اس عورت کو سہلایا - ٹانگہ میں بٹھلایا - رحیم نے گھوڑے کی باگ کھینچی - چمبو نے خلاف معمول ہنہنانا شروع کیا - رحیم حیران تھا کہ چمبو اس قدر شور کیوں کر رہا تھا - اور اس سے اُس کا مطلب کیا تھا -

" آپ کس طرف جائینگی ؟" رحیم نے پھر سلسلہ کلام چھیڑنے کی کوشش کی -

" جس طرف آپ لے چلینگے "

" لیکن آپ کا مسکن "؟

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

"کبھی تھا"

اور آپ کے عزیز و اقارب ..... رشتہ دار ....

"سب دھوکا ...... فریب ...... جال ......؟

اب رحیم کچھ حد تک سمجھ چکا تھا - کہ اصل میں یہ بدنصیب عورت دنیا و سماج سے تنگ ہو کر جا رہی ہے - اگر اس وقت اس کو پناہ نہ دی گئی - تو قدرتی طور پر یہ کوئی مذموم سے مذموم فعل کر گذریگی - اور صبح نکلنے والا سورج اس سرزمین کو ایک بے گناہ کے خون کے لئے سرزنش کرے گا -

رحیم اپنے گھر میں پہنچ چکا تھا - اس نے اس بدنصیب عورت کو سہلا کر ٹانگہ سے اتارنے کی کوشش کی لیکن اسے معلوم ہوا کہ اس عورت کے جسم کا نچلا حصہ مفلوج ہو چکا تھا - بڑی مشکل سے اس کو اندر کمرہ میں لے جایا گیا ....

رحیم نے ٹانگہ تو ایک طرف بوسیدہ شیڈ میں لگا دیا - اور جمو کو اندر لے آیا - آج اس کمرہ کے ساکنوں میں مزید ایک جاندار کا اضافہ ہو گیا تھا - رحیم نے آگ جلائی اور چائے کی کیتلی چولہے پر رکھ دی - آگ کے زرد شعلوں کی روشنی میں رحیم نے دیکھا کہ بدنصیب عورت کافی جوان اور خوب صورت ہے - اس کا زرد چہرہ کافی دلکش ہے - چولھے کی مدھم اور ٹمٹماتی ہوئی روشنی میں اس کے کپڑوں پر دھبے سے دکھائی دئے - رحیم نے بنظر غور ان دھبوں کو دیکھا - وہ جان گیا - کہ یہ انسانی خون تھا - جو اس بدنصیب عورت کے جسم سے بہہ کر اس کے کپڑوں پر سیاہ دھبوں کی شکل میں پھیل گیا تھا -

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

"یہ خون"

"خو.... ن" عورت کی زبان لڑکھڑا رہی تھی۔ اور اُسے بولتے ہوئے دورکا احساس ہوتا تھا۔

"اس درندگی کی وجہ"؟ رحیم نے پوچھا۔

عورت کا گلا خشک ہو رہا تھا۔ اور اس کی بظاہر شکل وصورت حرکات وسکنات سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کے جسم سے خون بافراط بہ جانے کی وجہ سے اس کی حالت چراغ سحر جیسی ہوگئی تھی۔ جو کبھی بالکل مدھم ہو جاتا۔ اور کبھی بادنسیم کے معمولی جھونکے سے پھر روشن ہو جاتا تھا.....

رحیم کو کبھی وہم وڈر سے دوچار ہونا پڑتا..... تو کبھی اُمید زندگی سے اس کا مرجھایا ہوا دل نوخیز کلی کی طرح کھل اُٹھتا۔

چائے تیار ہوئی۔ رحیم نے ایک پیالی میں چائے ڈالی۔ پھر اس اجنبی مہمان کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ لیکن یہ نسوانی ہاتھ حرکت کرنے سے بھی قاصر دکھائی دے رہا تھا.....

رحیم آگے بڑھا۔ اس نیم مردہ جسم کو جو نڈھال ہو کر چٹائی پر چت پڑا تھا۔ سہلانے کی کوشش کی اس نے اس کی پیٹھ کو اپنی چھاتی کا سہارا دیا۔ اور دائیں ہاتھ سے پیالہ اس کے منہ تک لے گیا۔ پیالہ سے بھاپ اُٹھ اُٹھ کر فضا میں حلول پذیر تھی ..... جب رحیم کا ہاتھ جس میں وہ پیالہ تھامے تھا۔ اس عورت کے منہ کے قریب گیا۔ تو اُسے معلوم ہوا کہ اُس کے منہ سے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

نکلنے والی سانس غیر معمولی طور پر سرد تھی۔ اس کی زبان اور
ہونٹ خشک ہو رہے تھے۔ آنکھوں میں قدرتی زندگی اور روشنی
کی جگہ کچھ عجیب اور بیتابی کی حالت نمودار ہو رہی تھی۔ رحیم پیشتر
ان احساسات سے بالاتر تھا۔ اس نے کسی کو جنم لینے یا مرتے نہیں
دیکھا تھا۔ اس کی زندگی ایک بے لاگ اور اچھوتی سی مختصر حکایت
تھی۔ جو اس کے اپنے تک ہی محدود تھی۔

چائے کے دو چار گھونٹ پلانے سے عورت کی جسم میں کچھ لمحوں
کے لئے گرمی کی لہر دوڑ گئی۔ رحیم نے بھی اس کے جسم کے لمس کو
محسوس کیا۔ اس سے اس کے اندر ایک عجیب ہیجان پیدا ہوا۔ اس
نے زندگی میں کبھی نسوانی جسم کے لمس کو محسوس نہیں کیا تھا۔
۔۔۔۔۔۔ رحیم دل کی گہرائیوں میں خدا کے آگے دعا مانگ
رہا تھا۔ کہ وہ اس عورت کو زندگی بخشے تاکہ وہ اس کی رودادِ غم سن
سکے۔ وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ اگر وہ جانبر ہوگئی ۔۔۔۔۔
تو وہ اسے دور ۔۔۔۔۔۔ دنیا کے کسی کونے میں لے جائے گا۔
اس کی آزاد مرضی کے خلاف کوئی حرکت نہ کریگا اور اس کا وہ خوف جو
آج اس پر طاری نظر آ رہا تھا ۔۔۔۔۔۔ دور کر کے آئندہ شاہ
راہ زندگی کو بے خوف و خطر بنا دیگا۔

دوسرے ہی لمحہ اسے احساس ہوا کہ ۔۔۔۔۔۔۔ اس نے
زندگی میں ماں کی آغوش تو نہ دیکھی ۔۔۔۔۔۔ اور نہ ہی بہن کی
الفت دیکھی ۔۔۔۔۔۔ پھر وہ بیوی کی رفاقت سے بھی محروم
تھا ۔۔۔۔۔۔ حتیٰ کہ وہ بیشتر دنیاوی رشتوں کی محبت سے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بے بہرہ اور محروم تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

رحیم نے چاہا کہ عورت چائے کے ایک دو گھونٹ اور پی لے اور شاید یہ چائے ہی آب حیات کا کام دے ۔

عورت نے ہاتھ کے اشارہ سے رحیم کو پیالہ منہ سے ہٹانے کو کہا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ رحیم نے با دل ناخواستہ ہاتھ پیچھے ہٹا لیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور کچھ مغموم صورت اختیار کر لی ۔

رحیم کے دل میں ایک خلش تھی ۔ اس عورت کے سربستہ راز کو جاننے کی ۔ لیکن اس بیچاری کی زبان لکنت کے بوجھ تلے دبی جا رہی تھی ۔ اس کے باوجود رحیم حقیقت سے باخبر ہونا چاہتا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ فطرت انسانی ہے ۔ اور یہی خلش مبداء غم ہے ۔

"آپ کی سرگزشت ؟"

عورت نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کروٹ بدلی ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن ایسا کرنے میں رحیم نے دیکھا کہ اس عورت کے چہرہ پر ہزار شکن نمودار ہوئے ۔ اور اس نے جسم کی تمام تر قوت کو بروئے کار لایا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

سامنے گاؤں ۔ ۔ ۔ ۔ میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میرا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بستش ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

را ۔ ۔ ۔ ۔ ل ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ خا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ و ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ند

۔ ۔ ۔ ۔ او ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ش ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ش ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ را

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ معاش ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ گھر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

عورتوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ گھر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

میں ۔ ۔ ۔ ۔ نے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ احتجاج ۔ ۔ ۔ ۔ کیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ رہنا ۔ ۔ ۔ ۔ گھر ۔ ۔ ۔ ۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

نے ۔ اور وہ خاموش ہو گئی ۔ اُس کو سرد پسینہ آگیا . . . . اور . . . رعشہ طاری ہو گیا ۔

رحیم بارگاہِ الٰہی میں دعاگو تھا ۔ کہ صبح تک اس کی جان بخش ہو ۔ تو وہ کبھی اچھے سے اچھے ڈاکٹر کی خدمات حاصل کر کے اس کی تیمار داری کرے گا ۔

" آپ کا نام ؟ " رحیم پھر گویا ہوا ۔

" عا . . . ئی . . . . شہ "

رحیم چونک پڑا ۔ اُس کو اپنی والدہ کی یاد آگئی ۔ جب وہ اُس کی بہن عائشہ کی لحد پر زار و قطار رویا کرتی تھی ۔ وہ ایک طفلک تھا ۔ اس نے عائشہ کو دیکھا تک نہ تھا ۔ وہ اُس کی پیدائش سے پہلے ہی داغ مفارقت دے چکی تھی . . . . لیکن . . . . آج رحیم کو ماں کے گرم گرم آنسوؤں کی آنچ اپنے سینہ میں اُترتی ہوئی معلوم ہوئی ۔ اسے ایسا محسوس ہوا ۔ کہ اُس کی بہن عائشہ کئی سالوں کے بعد اس کے سامنے پڑی ہے ۔ اور اس سے رخصت ہو رہی ہے ۔ اُس کی آنکھوں میں یہ خیال آتے ہی پانی امڈ آیا ۔ پھر یہ پانی دو موٹے آنسوؤں کی شکل میں آنکھوں سے نکل کر گالوں پر سے لڑھک کر عائشہ کے بے حس ہاتھوں پر گر گیا ۔

عائشہ نے نیم وا آنکھوں کو بصد مشکل اوپر اٹھایا ۔ اس نے رحیم کی پُر نم آنکھوں کو دیکھنے کی سعی کی ۔ اس کی نیم مردہ آنکھوں میں ایک عجیب روشن سی چمک اٹھی ۔ اور دوسرے ہی لمحہ ہمیشہ کے لئے بند ہو گئیں ۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

۵

دوسری شادی

اولاد نرینہ کے ہوتے ہوئے دوسری شادی ۔۔۔۔

یہ میری سراسر غلطی تھی ۔۔۔۔۔ چالیس سے تجاوز کرتا ہوا سِن بینائی میں کمزوری چہرے کی شگفتگی کی جگہ اداسی مایوسی اور حسرت آشکار جھریاں ۔سر کے سفید ہوتے ہوئے بال ۔۔۔۔۔ دنیا کے تفکرات سے ۔۔۔ پژمردہ دل کے لئے ایک شگفتہ کلی کی خندہ پیشانی کا خواب عبث تھا ۔

وینا گو ہمہ صفت موصوف ہے ۔لیکن میرے لئے ۔ اس گھر کے اندر رہنا ہر طرح سے مشکوک دکھائی دیتا ہے ۔ اور خاصکر رومیش کا ابھرتا ہوا سن ۔بھیگی بھیگی میں شگفتہ پیشانی ۔ سڈول جسم اور سبزہ خط مرے لئے صدا دا لئے اجل ہے ۔ اس کا اس گھر میں وینا کی موجودگی میں رہنا میرے لئے ناقابل برداشت بوجھ ہے ۔

آخر ہوا کیا ؟ کئی دن کی ذہنی کشمکش کے بعد ونود بابو نے فیصلہ کیا کہ رومیش بابو کو بورڈنگ ہاوس میں داخل کروا دیا جاوے ۔ لوگ نکتہ چینی کرینگے کہ ونود بابو کے لڑکے کو پتہ نہیں کیوں بورڈنگ ہاوس میں داخل کروادیا ہے ۔۔۔ لیکن ابھی کسے ہوئے مجھے کسی طرح اس کے لئے مورد الزام

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

نہیں گردانا جاوے گا۔ اس کی تمام تر ذمہ داری وینا کے سر تھوپی جائیگی کیونکہ سوسائٹی اور سماج ابتدا سے ہی سوتیلی ماں کو سوتیلے بیٹے کی دشمن قرار دیتے آئے ہیں۔

ایک دن ونود بابو نے جسارت کر کے وینا کو کہہ ہی دیا کہ رومیش گھر میں شور و غل ہونے کی وجہ سے آزادی کیساتھ پڑھ نہیں سکتا۔ حالانکہ وہ خوب جانتے تھے کہ گھر میں شور و غل کرنے والا تھا ہی کون؟ ونود بابو۔ وینا اور رومیش کے علاوہ دو کم سن بچے راجکمار و منی یہ بچے بالکل چھوٹے تھے۔ اور اپنی توتلی زبان سے ایکدوسرے کیساتھ دھیمی سی باتیں کر سکتے تھے۔ ان کی آوازیں مشکل سے دوسرے کمرے میں سنائی دیتی تھیں۔

وینا خاوند کے الفاظ سن کر ہکی بکی سی رہ گئی۔ اس نے کہا کہ اس میں اسے کوئی بہتری دکھائی نہیں دیتی۔

عورتیں ہمیشہ کوتاہ اندیشی سے کام لیتی ہیں۔ درہم برہم۔ ہو جاویگا۔ وینا کا نظام جب اس کی بھاگ ڈور خلق نازک کے ہاتھوں میں سونپی جاویگی ۔۔۔۔

"پران ناتھ! میرا رومیش بورڈنگ ہاؤس کے ماحول میں پرورش کے صحیح مدارج کو طے کرنے سے محروم رہ جائیگا۔"

آخر رومیش کو ایک بستر۔ ایک تھالی۔ ایک پلیٹ ایک گلاس اور دو تین جوڑے پارچات پوشیدنی کے دیکر بورڈنگ ہاؤس میں پہنچا دیا گیا۔ روانگی سے قبل یہ ایک رقت انگیز منظر تھا۔ چھوٹے راج

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

نے رو رو کر آنکھیں لال کر لیں۔ منی بڑے بھیا کے ساتھ جانے کو آمادہ ہو گئی۔ ونود بابو کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں لیکن وہ مردانہ وار آنسوؤں کو پیچھے دھکیل رہے تھے۔ اُدھر وینا خاوند کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر اپنے آنسوؤں کو چھپانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ رومیش کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی جاری تھی۔ لیکن بے کسی۔ لاچاری و مجبوری اُسکو تدریس ضبط کر رہی تھی۔ کوئی ذی دل اس نظارہ جانکاہ کو دیکھنے کی جسارت بغیر دل گیر ہوئے نہیں کر سکتا تھا۔

"وینا اس میں تیری بڑی رسوائی ہوگی۔ لوگ تجھے اس تمام ناٹک کی ہیروئین قرار دیں گے۔ عوام و گلی محلہ میں چہ میگوئیاں ہونگی"۔

"لیکن اس میں میرا قصور!"

"صرف اتنا کہ میں سوتیلی ماں! پھر اپنے پتی کی آنکھوں میں ایک رذیل ترین عورت...... شاید ان کو وہم ہے۔ کہ میں اتنی گری ہوئی ہوں۔ کہ اپنے بیٹے کو حیوانی جذبات...... کی تشفی کے لئے...... چھی...... چھی......

دراصل وہ اپنے اندر کوئی کمی محسوس کرتے ہیں۔ اور اسی احساس کمتری نے اُن کو رومیش کو اپنا... سمجھنے پر مجبور کیا ہے۔ اسی چیز نے اُن کو مہر پدری کو پس پشت ڈالنے کی تحریک کی ہے۔ دنیا سفلی ہے۔ ہر ایک بات کو شک کی نگاہ سے دیکھتی ہے"۔

رومیش کو بورڈنگ ہاؤس میں داخل ہوئے کافی دن گذر گئے تھے۔ لیکن اس کی خیر و عافیت کا کوئی پیغام نہ آرہا تھا۔ بے چاری وینا ہر وقت متفکر رہتی۔ خصوصاً جب سے اس کو پتہ لگا تھا کہ رومیش بخار میں پڑا ہوا تھا۔ اس

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اُس نے کبھی گھر کی چار دیواری کے باہر پاؤں نہیں رکھا تھا۔ وہ بڑا نفاست پسند تھا۔ بورڈنگ ہاوس کا پراگندہ ماحول اُس کے لئے کسی بھی صورت میں سازگار نہ تھا۔۔۔۔۔۔

وینا ابھی اپنے خیالات میں غلطاں و پیچاں تھی۔ کہ ڈاکیا کی آواز نے اُسے چونکا دیا۔ اُس آواز نے اس کے خیالات کی نازک زنجیروں کو توڑ دیا۔ وہ بڑے اضطراب کے ساتھ دہلیز کی طرف بڑھی۔ ڈاکیہ خط پھینک کر چلا گیا تھا۔۔۔۔۔ لفافہ پر کے حروف صاف بتا رہے تھے۔ کہ یہ خط رومیش کے ہاتھ کا لکھا ہوا نہ تھا۔۔۔۔۔۔ یہ لفافہ سکول کے ہیڈ ماسٹر کی طرف سے تھا۔۔۔۔ وینا کا اضطراب اور بھی بڑھا۔ اُس نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے لفافے کو کھولا اور پڑھنا شروع کر دیا۔۔۔۔۔

رومیش کو کل بخار ہو گیا۔ درجہ حرارت یکدم ۱۰۵ پر چلا گیا۔ غنودگی کا غلبہ ہے۔ بات بالکل نہیں کرتا۔ ان جانے میں ماں! ماں! پیاری ماں! میرا کیا قصور ہے۔ جو مجھے گھر سے نکال دیا۔۔۔۔۔

وینا اس کے آگے کچھ پڑھ نہ سکی۔ کیونکہ آنکھوں سے بہہ نکلنے والے اشک ہائے غم نے اس کی قوت بینائی کو چند لمحوں کے لئے مضمحل کر دیا۔ اس کی زبان سے چیخ نکل گئی۔ وہ غش کھا کر فرش پر آ رہی۔۔۔۔

وہ چند لمحے دنیا و مافیہا سے بے خبر بے حس و بے جان پڑی رہی۔۔۔

کچھ دیر بعد وینا کو ذرا ہوش آیا۔ اُس نے دل ہی دل میں سوچا۔ کہ کیوں نہ بابوجی کے دفتر سے آنے سے پیشتر وہ رومیش کو گھر لے آوے۔ وہاں اس کی تیمار داری کون کرتا ہو گا۔ بے چارہ سوچتا ہو گا کہ آج اس کی ماتا اس

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

دنیا میں ہوتی ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن وہ بھی تو ماتا ہی ہے ۔ اس کے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں اس کے لئے ماتا کا پریم تھا ۔ لیکن دنیا اس کو دغا اور فریب سمجھ رہی تھی ۔ خود ونود بابو تو اس ممتا بھرے پیار کو کسی دوسرے روپ میں دیکھ رہا تھا ۔ اس نے دل کو سہارا دیا اور سکول جانے کی تیاری کرنے لگی ۔

۔ ۔ ۔ ۔ لیکن دوسرے ہی لمحہ اس کو ونود بابو کے رویہ کا خیال آیا ۔ ۔ ۔ ۔

اور پھر ۔ ۔ ۔ ۔ ان کا شک ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یقین کی حد کو پہنچ جائیگا ۔

گو صداقت کو دنیا میں کسی کا ڈر نہیں ۔ پر افسوس صداقت کے ظاہر ہونے سے پیشتر ہی معاملہ دگرگوں ہو جاویگا ۔ یہ راہ بڑی پُرخطر ہے ۔ اس پر گامزن ہونے کے لئے غیر معمولی احتیاط اور معاملہ فہمی کی ضرورت ہے ۔ عورت ذات ہونا ایک گناہ ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بہر حال وہ اس نتیجہ پر پہنچی کہ ونود بابو کی واپسی کا انتظار کیا جاوے ۔

ونود بابو شام چار بجے کے بعد گھر پہنچے ۔ وینا نے ہیڈ ماسٹر کا خط اُن کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا ۔ رومیش کی حالت نازک ہے ۔ اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا طوفان بہہ نکلا ۔

کتنا شاطر ہے یہ لڑکا ! اب بیماری کا بہانہ بنا لیا ہوگا ۔ ونود بابو نے سختی کا لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

میرا رومیش بہانہ ساز نہیں ۔ وہ ایک سچا اور بردبار لڑکا ہے ۔ وینا نے ذرا سہم کر کہا ۔

"عورتیں ہمیشہ ہر بات کے بیرونی اثرات سے ہی متاثر ہو جاتی ہیں ۔ میں رومیش کے دل کو اچھی طرح جانتا ہوں ۔"

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

آپ کا یہ اندازہ درست نہیں ہے۔ بہرصورت آپ جا کر اُسے گھر لے آئیے

وینا نے ملتجی نگاہوں سے کہا۔

اس کا علاج گھر میں نہیں ہسپتال میں ہو سکتا ہے۔ ونود بابو نے ڈانٹتے ہوئے کہا۔ وینا مصلحت جان کر چپ ہو رہی۔ وہ اپنے کمرے میں چار پائی پر جا لیٹی۔ وہ ایک ایسے پنچھی کی طرح پھڑ پھڑائی جو پر گر جانے کے بعد بھی خواہش پرواز کرے۔ وہ دل ہی دل میں کہنے لگی۔ اے ایشور میری وجہ سے ہی رومیش کو اس گھر سے دور رکھنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ میری وجہ سے ہی باپ کے دل کے محبت بھرے چشمے بیٹے کے لئے کینہ و حسد کے زہریلے سمندر میں بدل رہے ہیں۔ رومیش کی اس تمام مصیبت کا سبب عظیم میں بد نصیب ہوں۔ اس سے اگر مجھے موت آ جائے تو اچھا ہے کیونکہ رومیش کی زندگی میری وجہ سے تلخ ہو رہی ہے۔ میں باپ اور بیٹے کے درمیان ایک خلیج ثابت ہو رہی ہوں۔ میرا فرض مجھے پکار کر کہہ رہا ہے۔ کہ میں اپنی بے لوث قربانی سے اس بھیانک خلیج کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دوں اور باپ بیٹا کو ایکدوسرے کے قریب تر لا دوں۔

ونود بابو بادل نخواستہ سکول کی طرف جا رہے تھے۔ مگر ان کا ہر قدم بجائے آگے بڑھنے کے پیچھے مڑ جانے کی تلقین کر رہا تھا۔ وہ محبت اور اُلفت سے قطع نظر جذبہ ہمدردی سے بالاتر وینا کی التجاؤں سے بے اثر۔ سوسائٹی کی چہ میگوئیوں اور غیرت کے ڈر سے مجبور ہو کر آگے جا رہے تھے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ورنہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ تو رومیش کی شکل تک دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ونود بابو بیٹا گیٹے کے منہ سے رومیش کا نام سنتے ہی آگ میں جل اُٹھتے تھے۔ وہ اس جذبہ کو ہمیشہ چھپانے کی کوشش کرتے رہتے تھے تاکہ دنیا کی نظروں میں ان کی قدرومنزلت ختم نہ ہو جاوے اور وہ بے دل نہ ہو جاوے۔

ونود بابو جب سکول میں پہنچے تو اُنہیں رومیش کی بے بسی کا پہلی بار احساس ہوا۔ وہاں اس کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ غنودگی طاری تھی۔ کبھی کبھار کوئی ہم جماعت خبرگیری کو آجاتا۔ لیکن یہ سب کچھ رسمی تھا۔ ان حالات میں باپ کی کھوئی ہوئی محبت نے جوش مارا اور رنج بادل کے مینہ برسنا شروع ہو گیا۔ ونود بابو نے بے اختیار اپنے لخت جگر کو سینے سے لگا لیا۔ لیکن وہ بے حس تھا۔ صرف جسم کی گرمی اس بات کا یقین دلاتی تھی کہ ابھی جان عزیز باقی ہے۔

ونود بابو نے رومیش بابو کے پژمردہ چہرہ کو بغور دیکھا۔ ان پر بجلی سی گری۔ لیکن دوسرے لمحہ وہ حسد کی آگ میں جل اُٹھے۔ متزلزل خیالات نے ایک بار پھر ان پر قابو پا لیا۔ اور اُنہیں اس بات پر مجبور کر دیا کہ وہ اُسے بجائے گھر لے جانے کے سیدھے ہسپتال لے جاویں۔

حاسد باپ نے بدنصیب نیم مردہ ننھی سی جان کو بورڈنگ ہاؤس سے ہسپتال میں منتقل کر دیا۔ اور ایک بے بس و لاوارث مریض کی طرح اُسے ہسپتال کے بے رحم سٹاف کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔

باپ کا خون اس قدر سفید ہو چکا تھا کہ اُس نے ہسپتال کا کمرہ چھوڑتے ہوئے اپنے بے حس نور چشم کو دوبارہ آنکھ بھر کے دیکھنے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سی زحمت گوارا نہ کی۔

وینا نے جب ونود بابو کو کمرہ کے اندر داخل ہوتے دیکھا تو وہ پر اشتیاق آگے بڑھی اور رمیش کی خیر و عافیت کی نسبت دریافت کیا۔

ونود بابو ایک حقارت آمیز ہنسی ہنسے اور کہا رمیش ٹھیک ہی تو ہے۔ معمولی سی حرارت تھی ایک دو دن تک رو بصحت ہو گا.... کہنے کو تو وہ یہ لفظ کہہ گئے۔ لیکن اُن کا دل ان کو نفرین کہہ رہا تھا اور لعنت بھیج رہا تھا۔ ایشور میرے دل و دماغ کو کیا ہو رہا ہے۔ میں جان بوجھ کر اپنے بیٹے کی موت کا موجب بن رہا ہوں۔

ان کی وفا شعار اور چہیتی بیوی متھرا کے لفظ ان کو رہ رہ کر یاد آ رہے تھے جب کہ وہ بستر مرگ پر پڑی تھی۔ زندگی کی اُمید کی آخری کرن بھی غروب ہونے کو تھی۔ اس کے چشم ہائے پُرنم کے ساتھ اپنی آخری تمنا کا اظہار کیا تھا۔ کیا تھی وہ تمنا۔ اُس نے ممتاز محل کی طرح ایک عالیشان تعمیر کرنے کی خواہش نہ کی۔ بلکہ اس کی آرزو ایک پاک تمنا تھی۔ اور خود غرضی سے مبرا ایک آخری مانگ تھی ...... یہ آواز اب بھی برابر ان کے کانوں میں گونج رہی تھی۔

وہ ایسا محسوس کر رہے تھے کہ متھرا آسمان کی نیلگوں پہنائیوں میں سے جھانک کر ان کی طرف دیکھ رہی ہے۔ اور اس وعدہ کی یاد دلا رہی ہے۔ بابوجی رمیش کا خیال رکھنا۔ میں نے اس کو خون جگر دے کر پالا ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ونود بابو کے اندر سوال پیدا ہوا - وہ اپنے آپ سے پوچھنے لگے کہ کیا کہ میں ہی وملہ کو نبھا رہا ہوں ؟ کیا اس مردہ روح کی آخری تمنا میرے ہاتھوں پوری ہو رہی ہے - ؟

میں ایک خود غرض، بے وفا، تغوگو، وملہ کشکی اور کمینہ انسان ہوں - لیکن ایشور مجھے قوت برداشت عطا کر - مجھے کیوں رومیش کی صورت تک سے بے زاری ہو رہی ہے - وہ میرا خون ہے میرے جسم کا ایک حصہ ہے - پھر میں اسے کیسے اور کیوں الگ کر رہا ہوں - - - -

میرا دل اتنا سخت کیوں ہو رہا ہے - میں ظالم ہوں - پاپی ہوں - اپنے بیٹے کو اپنا حریف سمجھ رہا ہوں -

لیکن وینا کا خیال آتے ہی حسد کی آگ پھر غالب آئی اور ان کا دل بیٹے کی محبت سے منحرف ہو گیا -

ادھر وینا کو ایسا معلوم ہو رہا تھا - کہ وہ ڈاین ہے - جادوگرنی ہے - اور وہ رومیش کو جسم کے موت کے گڑھے میں زبردستی دھکیل رہی ہے - وہی باپ اور بیٹے کی محبت کی راہ میں حایل ہو رہی ہے -

کیا وہ رومیش کی قیمتی جان کو بچانے کی خاطر اپنی ہستی کو ختم نہیں کر سکتی - ؟ یہ امر بخوبی ظاہر ہے - کہ رومیش کو گھر والوں کی جدائی شاق گزر رہی ہے - اور بورڈنگ ہوس کے خراب کھانے نے اس کی صحت کو تباہ کر دیا ہے - وہ کیا سوچتا ہوگا - کہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی اس کا اس دنیا میں کچھ نہیں -

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

دینا نے سوچا کہ وہ ہسپتال میں جائیگی۔ وہ رومیش سے معافی مانگے گی۔ اور پھر ہمیشہ کیلئے اس عالم سفلی کو خیرباد کہہ دیگی۔ لیکن وہ پھر سوچتی کہ ونود بابو اسے ہسپتال جانے کی اجازت کب دینے لگے۔ دینا نے یہ خیال آتے ہی ایک آہ سرد بھری اور پھر یہ غور و خوض میں مستغرق ہوگی۔

شام کو ونود بابو آئے ان کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ وہ سیدھے دفتر سے ہسپتال پہنچے تھے۔ وہ ہسپتال سے سیدھے گھر آرہے تھے۔ دینا کے پوچھنے پر کہ رومیش کا کیا حال ہے۔ انہوں نے کہہ دیا۔ کہ رومیش ٹھیک ہے۔ صرف دو ایک دن ہسپتال میں رہے گا۔

دینا کو ونود بابو کے ان الفاظ میں ریا کی بو آرہی تھی۔ وہ تمام معاملہ کو بھانپ چکی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ ونود بابو اپنے نونہال کو شدید کی بے رحم قربانگاہ پر بے دردی سے بھینٹ کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ اس لئے وہ خود رومیش کو دیکھنا چاہتی تھی۔

"مجھے آپ اجازت دیں تو صبح جاکر رومیش کو دیکھ آؤں؟"

"تمہاری وہاں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ونود بابو نے بے رخی سے کہا"

"رومیش۔ . . . . میرے بارے میں کیا خیال کرتا ہوگا؟"

"کیا خیال کرتا ہوگا؟" ونود بابو نے تند لہجہ میں کہا۔

بے چاری دینا مصلحت جان کر چپ ہو رہی . . . .

رات بڑی ڈراونی اور بھیانک تھی۔ چاروں طرف ہو کا عالم تھا۔ اس وقت دنیا خواب غفلت میں مدہوش پڑی تھی۔ کبھی کبھار چمگادڑ کی پرواز کی پرواز سے اس انتہائی خاموشی میں معمولی سی حرکت آجاتی تھی۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ونود بابو بھی مزے کی نیند سو رہے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن دینا ماہی اپنے آپ کی طرح پریشان تھی ۔ نیند اسے کوسوں دور تھی ۔

دینا نے ایک بار آنکھیں پھاڑ کر کمرہ میں چھائی ہوئی تاریکی میں ۔ ونود بابو کے چہرے کو دیکھنے کی کوشش کی ۔ اس تاریکی میں وہ کچھ نہ دیکھ سکی ۔ لیکن اسے یقین کامل تھا ۔ کہ ونود بابو گہری نیند کا حظ اٹھا رہے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

دینا چپکے سے باہر نکل گئی ۔ گلی میں بجلی کی روشنی میں وہ دیواروں کے ساتھ اپنے آپ کو چھپاتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی ۔ اس وقت سب سے زیادہ پریشان کرنے والی شئے آوارہ کتوں کی "بھوں ۔ بھوں" کی آواز تھی ۔ یہ کتے چند لمحے بھوں ۔ بھوں کرنے کے بعد پھر کسی کوچہ کی تاریکی میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دم ہلاتے ہوئے گم ہو جاتے تھے ۔ جب یہ کتے بھوں ۔ بھوں کرتے ہوئے دینا کی طرف لپکتے تو وہ خائف ہو جاتی ۔ لیکن دینا کے ڈر سے وہ آواز نہ نکال سکتی تھی ۔ چند منٹ وہ اپنے آپ کو زندگی اور موت کے درمیان معلق پاتی ۔ وہ موت کا خیر مقدم کرنے کو تیار تھی ۔ لیکن روشیش سے ملاقات سے پہلے نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہی ایک دعا تھی اس کی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایسے بھیانک وقت پر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

دینا کے سامنے پہنچ چکی تھی ۔ ہسپتال کے بڑے دروازہ کو سامنے دیکھ کر اسکے دل کے تاریک گوشہ میں امید کی کرن امید کی معمولی سی جھلک دکھائی دی اور وہ فاتحانہ انداز سے آگے بڑھی ۔

ہاسپٹل کا بڑا دروازہ بند تھا ۔ اس کا چوکیدار گہری نیند میں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

خراٹے بھر رہا تھا۔ وینا نے چوکیدار کو جگانے کی کوشش کی۔ لیکن چوکیدار ہڑبڑا کر اٹھا۔ اور چور! چور! کی آوازیں لگانی شروع کر دیں۔

"چوکیدار ہوش کرو۔ میں چور نہیں بلکہ ایک مصیبت زدہ دبے کس عورت ہوں" عورت! چوکیدار نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔

ہاں عورت! وینا نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

تمہارا اس وقت یہاں کیا کام؟ چوکیدار نے ذرا اکڑ کر کہا۔

وینا نے تمام ماجرا چوکیدار کے گوش گذار کیا۔ چوکیدار یہ درد بھری داستان سن کر آب دیدہ ہو گیا۔ "لیکن بیٹی میں تمہاری اس معاملہ میں کوئی امداد نہیں کر سکتا۔ دروازہ بند ہے" چوکیدار نے معذرت کی۔

"بابا آپ بڑے نیک آدمی ہیں۔ آپ کو ایشور اس نیک کام کا اجر ضرور دیگا۔ اور وینا نے چوکیدار کے پاؤں پکڑ لئے"

"بیٹی اس میں میری روزی کا سوال ہے"۔ بوڑھے نے سرد آہ بھری۔

وینا نے تمام زیور اتار کر چوکیدار کے پاؤں پر رکھ دیئے۔ اور کہنے لگی۔ "بابا۔ یہ لو اب تمہیں بقیہ زندگی کی روزی کا فکر نہیں ستا دے گا۔"

"سونا! سونا! زیور۔ بیٹی یہ سب میرے آگے مٹی سے زیادہ قیمت نہیں رکھتے۔ میری مینا ساری عمر سونے کی ایک انگوٹھی کیلئے ترستی رہی۔ اور اس حسرت کو ساتھ لے چل بسی۔ آہ! اگر آج وہ زندہ ہوتی تو اس کو بتاتا کہ پیاری یہ ہے۔ سونے کی قیمت۔ جس کیلئے تو ساری عمر ترستی رہی"۔ بوڑھے چوکیدار کا پژمردہ چہرہ آنسوؤں کی جھڑی میں یکبارگی چمک اٹھا۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بوڑھے چوکیدار کا یہ تھا۔ بھدا اور سیاہ ہاتھ میلے کوٹ کی جیب کی طرف بڑھتا اور دوسرے ہی لمحہ یہ ہاتھ ایک چابی نے کر جیب کے باہر آگیا دینا کو ایسا معلوم ہوا کہ اس کو آب حیات مل گیا ہے۔

کلک۔۔۔۔ کلک ۔۔۔۔ کھٹ ۔۔۔۔ کھٹ اور دروازہ کھل چکا تھا۔ دینا اندر داخل ہوئی۔ اس وقت اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اس کی حالت اس مریض کی سی تھی جس کو ڈاکٹروں نے اور حکیموں نے عیاں طور پر کہہ دیا ہو۔ کہ وہ مہلک مرض سے مخلصی حاصل نہیں کر سکتا اور وہ خلاف امید اپنے آپ کو بالکل تندرست پائے۔

"اور تو سبھی کمروں میں مریض ہیں۔ لیکن کمرہ ۱۲ خالی ۔۔۔۔ مقفل۔۔۔۔۔ سنسان ۔۔۔ ۔ خاموش ۔۔۔۔ تاریک ۔۔۔۔ ہو سکتا ہے۔ انہوں نے غلط نمبر بتا دیا ہو۔

دینا اسی ادھیڑبن میں غلطاں و پیچاں تھی کہ اچانک اس کی نظر محو یں سفید چیز پر پڑی۔ اس کا ماتھا ٹھنکا۔ قریب جا کر اس کو معلوم ہوا کہ یہ کسی انسانی جسم کی باقی ماندہ یادگار تھی۔۔۔۔ ایسے اگر اسے کوئی انسانی نعش مل جاتی تو ضروری تھا کہ مارے خوف کے اس کی جان نکل جاتی۔ مگر اس وقت خوف و ہراس اس سے کوسوں دور تھا۔ اس وقت دنیا کی بھیانک ترین چیز بھی اسے خائف کرنے سے قاصر تھی۔

دینا اس سفید انسانی یادگار کی جانب بڑھی وہ جھجکی نہیں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ڈرمی نہیں ۔ اس نے تامل نہ کیا اور نعش کے منہ پر سے کپڑا اٹھا دیا
" اے الیشور! میں یہ کیا دیکھ رہی ہوں ۔ کیا یہ خواب تو نہیں ؟ نہیں ...
... نہیں ...... یہ تلخ اور بھیانک حقیقت ہے ...... میرا
روشن ...... پیارا روشن ...... روٹھ کر کہاں چلا گیا ۔ میں اتنی
ابھاگی نکلی کہ بھاگی بار روشن سے مل بھی نہ سکی ۔ ونود بابو اب آرام سے
رہینگے ...... انسانیت جب گرنے پر آتی ہے ۔ تو وہ ذلالت کی انتہائی
گہرائیوں میں جاگزین ہوتی ہے "

" دینا نے نعش کو گلے سے لگا لیا اس کے منہ سے ایک چیخ نکلی
اور اس کی آواز کرہ ہوائی میں مل کر ہمیشہ کیلئے خاموش ہو گئی ۔

گرجا کے گھنٹہ نے چار بجائے ۔ بوڑھا چوکیدار سنبھلا ۔ وہ اندر کی
طرف بڑھا ۔ اس نے دینا کو آوازیں دیں ۔ لیکن کوئی جواب نہ ملا ۔ سوچا
بیچاری رو رو کر نڈھال ہو گئی ہوگی ۔ آگے بڑھا ...... پھر
آواز دی ۔ کوئی جواب نہ ملا ۔ آگے بڑھ کر اپنے دینا کو بازو سے پکڑ کر
اٹھانا چاہا ...... لیکن ...... چوکیدار چلا کر پیچھے ہٹا ......
آہ یہ بازو بالکل سرد اور بے حس ہو چکا تھا ......

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

٦

عید

عید کو ابھی تین دن باقی تھے۔ زونہ اپنی جھونپڑی میں بیٹھی دماغ کے سکرین پر ماضی کی دھندلی و پھیکی تصاویر کا تصور مشکس دیکھ رہی تھی۔ جھونپڑی کے گرد و پیش کا ماحول تاریکی کا متحمل تھا۔ اس کی جھونپڑی کے در و دیوار چولھے کے دھوئیں اور دئے کی لو میں سیاہی مایل ہو چکے تھے۔ حتےٰ کہ اس جھونپڑی کے اندر رکھی ہوئی ہر چیز سیاہی سے مانوس دکھائی دیتی تھی۔ اس جھونپڑی کے اندر ہر طرف یاس و حسرت برس رہی تھی۔ اور اس ابدی تاریکی میں کہیں کبھی روشنی کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ اور نہ ہی ابھی کوئی امید تھی۔

دن کا اُجالا گم ہو رہا تھا۔ اس کی جگہ ظلمت کی تاریکی چھا رہی تھی۔

آفتاب مغرب میں اُفق کے اندر ڈبکی لگا چکا تھا۔ پہاڑ دنیا کے سر بلند چوٹیاں ملگجے اندھیرے میں اپنی عظمت کو ڈوبتا دیکھ رہی تھی۔ پرندے اپنے بچھڑے ہوئے ساتھیوں کو شب بسری کے لئے اپنی اپنی بولیوں میں گھونسلوں میں آنے کے لئے پکار رہے تھے۔ اور رات کو پھرنے والے چرند و پرند مستعد ہو رہے تھے۔

ٹھیک یہی عید کا دن تھا۔ بوڑھا عبدل اور غلام رسول ابھی اپنی اپنی چارپائیوں پر ہی تھے کہ تحصیل کے پیادہ نے دروازہ پر دستک دی۔ غلام رسول نے دروازہ کھولا۔ پیادہ اندر داخل ہوا۔ عبدل تعظیم

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا اور نیچے زمین پر بیٹھ گیا۔ پیادہ چارپائی پر بیٹھ گیا۔ اس نے خاکی وردی پہنی تھی۔ اُس کی گفتار ٹھکانہ تھی۔ وہ بار بار للچائی ہوئی نظروں سے زونہ کی طرف دیکھتا تھا۔ زونہ جانتی تھی کہ وہ مردود اس کی عصمت سے کھیلنا چاہتا تھا۔ لیکن زونہ نے کمال بے اعتنائی سے کئی بار اُسے دھتکار دیا تھا۔ زونہ کو اس سے حد درجہ نفرت تھی بلکہ وہ بدکردار اس کا پیچھا نہ چھوڑتا تھا۔ وہ پڑوس میں ہی رہتا تھا۔ جب زونہ پانی لانے یا دیگر کسی کام کیلئے باہر نکلتی تو وہ سایہ کی طرح اس کا پیچھا کرتا تھا۔

زونہ بوکھلا جاتی۔ اس کی رگ حمیت بھڑک اُٹھتی۔ کئی بار اُس کے دل میں آتا کہ وہ تمام ماجرا غلام رسول کو سناوے۔ لیکن پھر اُسکے بھیانک نتائج سے خائف ہوکر چپ رہ جاتی۔ . . . .

"عبدل تمہیں یہ ڈاک لے کر گوشان جانا ہے۔" پیادہ نے ایک خاکی لفافہ عبدل کی طرف بڑھا دیا۔

"حضور! آج عید ہے۔"

پیادہ نے ایک نفرت آمیز قہقہہ بلند کیا اور اس کی آواز ساری جھونپڑی میں گونج گئی۔

"حضور کل صبح چلا جاؤں گا"۔ "کیا بکتا ہے۔ تحصیلدار صاحب پرسوں وہاں دورہ پر جا رہے ہیں۔ اور آج یہ پروگرام وہاں پہنچنا چاہیئے"۔

"میں آج شام کو گاؤں سے باہر دو چار میل چلا جاؤنگا۔ اور کل صبح وہاں ڈاک لے کر پہنچ جاؤں گا۔

"ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا تمہیں اس وقت جانا ہوگا۔ . . . . ورنہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

.... لیکن حضور ....

"لیکن ...... ولیکن نہیں ...... سیدھی طرح جانے کو تیار ہو جاؤ ۔ ......"

پیادہ نے بپھر کر کہا۔ عبدل نے سینہ پر ہاتھ رکھا۔ ایک ٹھنڈی سانس لی۔ اور آہستہ سے کہا حضور! ابھی جاتا ہوں"

تین اشخاص کا مختصر سا کنبہ پیادہ کے چلے جانے کے بعد سراسیمگی میں چلا گیا۔ زونہ اندر رسوئی خانہ میں چلی گئی۔ اور اس نے مکی کی چار روٹیاں تیار کر کے میلے سے ایک چیتھڑے میں باندھ دیں۔ اسکی موٹی موٹی سیاہ آنکھوں سے آنسوؤں کا طوفان بہہ نکلا۔ بوڑھے سسر کی بے بسی کو دیکھ کر ......

عبدل زندگی کے سفر کی ایسی منزلیں طے کر چکا تھا۔ اس کی بیتی ہوئی زندگی کی تلخ تاریخ چہرے پر کے شکنوں میں ہویدا تھی۔ ضعف و نقاہت خاصہ پیری ہے۔ تمام جسم کے بال سفید ہو چکے تھے۔ بصیرت کم ہو چکی تھی۔ کانوں کی قوت سامعہ کافی حد تک کم ہو چکی تھی۔ ہاتھ اور پاؤں کانپتے تھے۔ منہ کی بتیسی جواب دے چکی تھی ...... لیکن شخصی راج کے قانون کی نظروں میں وہ اب بھی تبرا تھا۔ بے گار اسکی پدری وراثت تھی۔

غلام رسول کا چہرہ غصہ سے تمتما رہا تھا۔ لیکن وہ شخصی راج کے قانون کا پابند تھا۔ وہ جانتا تھا۔ کہ قانون چاہے جائز ہو چاہے ناجائز ہو اس کا احترام لابدی ہے۔ معمولی چون و چرا کو قانون کی لغت میں بغاوت کا نام دیا جاتا ہے۔ اور پھر بغاوت کی سزا ...... سنگین سے سنگین تھی۔ جیل کی کوٹھری اور پھانسی کی کوٹھڑی کے تصور سے اس کا غصہ ڈر میں تبدیل ہو گیا۔ اسکے نوجوان سینے کے اندر ابھرتے ہوئے طوفانی جذبات دوسرے ہی لمحہ مجبوری و

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بے بسی کے آہنی پنجوں کی گرفت میں اُلجھ کر دب گئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

غلام رسول شام کو دن بھر کی محنت مزدوری اور کووت کے بعد گھر واپس آیا۔ شام کا کھانا کھا کر حقہ پینے لگا۔ زونہ شب بیری کے لئے بستر ٹھیک کر رہی تھی۔ آسمان پر بادل چھایا ہوا تھا۔ معمولی برف باری ہو رہی تھی۔ اندھیرا تھا۔ کہ ہاتھ کو ہاتھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اتنے میں اس کے پڑوس عزیز نے خبر دی کہ عبدل تو نیا کا شکار ہو کر راستہ کے کنارے ایک غار میں بے ہوش پڑا ہے۔

یہ منحوس خبر سنتے ہی غلام رسول کی دن بھر کی تھکان جاتی رہی۔ وہ رات کی بھیانک تاریکی میں بوڑھے باپ کے لئے پیار اور عقیدت کے جذبات لئے خوفناک جنگلوں اور دشوار گذار پہاڑی راستوں کو عبور کرتا ہوا اُس غار کے منہ پر پہنچا۔ بوڑھے والد میں بولنے کی سکت نہ رہی تھی۔ جسم شل ہو چکا تھا۔ منہ سے آنے والی معمولی گرم سانس ہی تھی جو زندگی کی شاہد تھی۔ ورنہ زندگی کے دیگر آثار محض قیاسی تھے۔

زونہ بوڑھے سسر کی یہ حالت دگرگون دیکھکر متحیر ہوگئی۔ یہ منظر بڑا متاثر کن تھا۔ ہر دو میاں بیوی بوڑھے کی تیمارداری میں محو ہوگئے۔ لیکن ضعیف جسم میں حرارت عود کرتی ہوئی معلوم نہ ہوتی تھی۔ کوئی دوا اثر پیدا نہ کرتی تھی۔ ہر دو نے مایوس ہو کر دوا کے بجائے دعا سے کام لینا شروع کیا۔ منتیں مانی گئیں۔ زونہ نے پُر نم آنکھوں سے کئی بار اپنے ماتھا کو زیارت شریف کی دہلیز پر رگڑا۔ جہاں کی متبرک خاک کو آنکھوں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

پھر ملا۔ غلام رسول بارہا مسجد میں گیا۔ لیکن یہ دعائیں بے اثر ثابت ہوئیں۔ بوڑھے عبدل کی بے ہوشی بدستور تھی۔ مسلسل بے ہوشی اور کمزوری نے آخر بوڑھے عبدل کو زندگی کی زنجیروں سے آزاد کر دیا۔ اور وہ قبرستان کے ایک گوشہ کا ساکن بن گیا

ملک میں آزادی کی لہر نے جنم لیا۔ تو آزادی کے متلاشی نوجوانان وطن نے غلامی کی زنجیروں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے توڑ دینے کا عزم مصمم کر لیا۔ وہ دن رات اپنی سرگرمیوں کو تیز تر کرنے کے در پے تھے۔ اُدھر شخصی راج کے بھی خواہاں سرگرمیوں سے بے بہرہ نہ تھے پولیس۔ فوج۔ قانون۔ گولی۔ لاٹھیاں و جلیبیں سب برسرکار آچکی تھیں۔ ظلم و استبداد کا ہاتھ دراز ہو کر عوام کی آواز کو کچلنے میں سخت بے رحمی سے کام لے رہا تھا۔ یہ وہ تشدد آمیز کاروائیاں تھیں جن کے لئے قانون کسی بھی صورت حکومت یا اُس کے افراد کو مورد الزام نہیں گردانتا تھا۔ مرد تو مرد مستورات اور بچے بھی ظلم و تشدد کی رشتہ بندی سے باہر نہیں تھے۔ انسانیت ان اوچھی حرکات پر بجائے نادم ہونے کے فخر محسوس کر رہی تھی۔ پُرامن ہجوم پر گولیوں کی بوچھاڑ ہوتی تھی۔ زخمیوں کے خون سے زمین زعفران زار بن جاتی تھی۔ لیکن جام شہادت نوش کرنے والوں کے منہ سے دم واپسی بھی شکایت یا کراہنے کی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

یہ تمام سختیاں تحریک آزادی کو دبانے سے قاصر دکھائی دیتی تھیں۔ نعرہ انقلاب تھا۔ کہ بلند تر ہوتا جا رہا تھا۔ تحریک

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

آزادی میں حصہ لینے والوں کی تعداد دن بدن بڑھ رہی تھی۔ ہر مرد و زن تہیہ کئے ہوئے تھا۔ کہ وہ شخصی راج کے خوشنما ایوان کی اینٹ سے اینٹ بجانے کے لئے ہر ممکن قربانی دیگا ۔۔۔۔۔۔۔

دنیا کا ہر موسم مناسب وقت پر خود بخود ظہور پذیر ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ موسمی فصلات اور میوے بھی نشو و نما حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح سال بھر کے تہوار گذر جانے کے بعد دوسرے سال کے نمودار ہوتے ہی اپنا چکر از سر نو شروع کر دیتے ہیں۔ یہی وہ تہوار ہیں جو ہر مذہب و قوم کی زندگی میں سرایت کر کے زندگی کا ایک اہم جزو بن جاتے ہیں۔ اجتماعی ہر دلعزیزی ان تہواروں کو تقدیس بخشتی ہے۔ لیکن ہر تہوار کی اپنی تاریخ ہے۔ وہ وقت کے تقاضا کے پیش نظر اپنے اندر چند خصوصیات کی حامل ہوتا ہے۔ انسان ان تہواروں میں کچھ تبدیلیاں بھی پیدا کرتا رہتا ہے۔ مگر پھر بھی یہ تہوار جذبات قوم کی ایک سچی تصویر کشی کرتے ہیں۔

عموماً تہوار خوشی کا پیغام لے کر آتے ہیں۔ لیکن بعض ایسے تہوار بھی ہیں۔ جو خونی یادگاروں کو تازہ کر کے انسانی زندگی کی حقیقی پاکیزہ قدروں کو اُجاگر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے وقت پر انسانی زندگی کا یہ پہلو اور ہی تاثرات پیدا کرتا ہے ۔۔۔۔۔ لیکن ایک غیر جانبدار آنکھ ان اوقات پر خون کے آنسو بہانے پر مجبور ہو اُٹھی ہے ۔۔۔۔۔۔۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

جب وہ فدا شہدا کی چند ایک قبروں کو پھولوں سے مزین دیکھتی ہے
...... عقیدت مند اصحاب ہزاروں قبروں پر سے جو گرد و پیش
کی سطح چند ہی انچ بلند ہوتی ہیں۔ اور ان پر سوائے تھوڑی گھاس
اور مٹی کے کچھ نہیں ہوتا۔ کمال بے اعتنائی سے جوتے پہنے ہوئے
ان کو پامال کرتے ہوئے گذر جاتے ہیں۔ ان اصحاب کو قطعاً اس
امر کا خیال پیدا نہیں ہوتا۔ کہ اصل شہید وہ ہیں جنہوں نے گمنام
زندگی بسر کرتے ہوئے خاموشی کے ساتھ قیمتی انسانی خون سے
آزادی کے نوخیز پودے کو سینچا اور اس کے اجر سے مستفید
ہونے سے قبل ہی گوشۂ لحد میں جاگزین ہوئے۔ یہ لوگ زندہ
تھے تو کسی نے ان کے باب زندگی کو وا ہوتے نہ دیکھا اور مرے
تو کسی نے ان کی لحد کا رخ نہ کیا۔ نہ ہی اُن کی زندگی کے متعلق
تاریخ میں چند سطروں کی جگہ دی۔ دنیا میں قدر و منزلت اُن
انسانوں کی ہوتی ہے۔ جو دوسروں کی قربانگاہوں پر اپنے عشرت
کدوں کو اُستوار کرنا چاہتے ہیں۔ جو دوست نما اصحاب کے رنگین
خون کی ہولی کھیل کر اپنی شریانوں ووریانوں کے زوردہ خون کو
تیز تر کرنے میں فن کمال رکھتے ہیں۔

بغاوت اتنی دیر تک بغاوت ہے۔ جتنی دیر تک وہ کامیاب
نہیں ہو جاتی۔ لیکن بغاوت کے کامیاب ہونے کے بعد باغی سرغنے
اقتدار حاصل کرنے کے بعد یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ اقتدار اُن کے
باغی ساتھیوں کے بے گناہ خون کا ثمر ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

واہ رے انسان! خود غرضی و خویش پروری تیری بطن مادر سے ہی ہمنوا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہی عید کا تہوار تھا۔ شخصی راج کے برق انداز کیل کانٹے سے لیس مکانوں کی چھتوں پر کمین گاہ میں بیٹھے تھے۔

لیڈران وطن کو کوئی ایسا سرفروش نہ مل رہا تھا جو جلوس میں علم آزادی کو اٹھائے جلوس کی راہنمائی کرتا۔ ابھی اس کے متعلق سرگوشیاں جاری رہی تھیں۔ کہ غلام رسول نے آگے جھک کر جھنڈے کو ہاتھ میں پکڑ لیا۔ اور جوش بھرا نعرہ لگایا۔ "انقلاب زندہ باد" اس کے ساتھ ہی انقلاب زندہ باد کے نعرے کرہ ہوائی میں گونج اٹھے۔ غلام رسول مردانہ وار آگے بڑھا۔ جلوس اس کے پیچھے ہو لیا۔ جلوس چند ہی قدم آگے بڑھا تھا کہ ایک مکان کی چھت پر سے سنسناتی ہوئی گولی آئی جو غلام رسول کی پوری چھاتی کو چیرتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی۔ وہ لڑکھڑایا۔ لیکن اس نے جھنڈے کو سرنگوں ہونے نہ دیا۔ جلوس تتر بتر۔ غلام رسول کی لاش شارع عام پر خون سے لت پت تڑپ رہی تھی۔ کسی نے اس کو اٹھانے کی جرأت نہ کی۔

زونہ کو اس بات کی اطلاع ملی ہے۔ وہ اپنے مردہ خاوند کو گھر پر لائی۔ راتوں رات اس کو اپنے سسر کے پہلو میں قبرستان میں ابدی نیند سلا دیا۔ کئی دن گذر گئے لیکن آزادی کے علم برداروں نے اس کی جھونپڑی کا بھولے سے رخ نہ کیا۔ اس کے بعد اس پر یہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

حقیقت کھلی کہ دنیا میں سوائے دھوکا و فریب کے کچھ نہیں ہے ۔ یہاں دن رات انسان ۔ انسان کے جذبات سے کھیلتا ہے ۔ . . . . پھر دنیا انسانیت کا مذاق اُڑاتی ہے ۔ بے بسوں ۔ لاچاروں ۔ محتاجوں ۔ اور مسکینوں کا کوئی پُرسان حال نہیں ہے

آزادی کی صبح کا آفتاب طلوع ہوا ۔ لیکن پھر بھی اُس کے نوجوان خاوند کی قربانی کی یاد لیڈران وطن کے دل میں پیدا نہ ہوئی ۔ اور نہ ہی انہیں اس قدر فرصت تھی ۔ کہ وہ اس جھونپڑی تک پہنچتے ۔ اب ان کے لئے یہ کسمپرسانی بھی تھا . . . . . . "ماں ! ماں ! پرسوں عید ہے" کمسن عزیزہ کی آواز نے زونہ کو اس خواب ماضی سے بیدار کر دیا ۔

"ہاں بیٹیا پرسوں عید ہے"

اس کے مرحوم خاوند کی ہی ایک زندہ نشانی تھا ۔ اس کے خدوخال اُس کے مرحوم خاوند سے کافی حد تک ملتے تھے ۔ وہ اس کی زندگی سے آس لگا کر مرحوم خاوند کے غم کو غلط کرتی تھی ۔ وہ کئی امیدیں باندھتی تھی ۔ اور خوش ہو اٹھتی جب وہ اپنے تصور میں ایک جوان و شکیل عزیزہ کے مجسم کو دیکھتی ۔ ورنہ زونہ کی زندگی ایک ویران صحرا کی طرح تھی ۔ عزیزہ ہی اس کی آرزوؤں کا جہاں تھا ۔ اسی کے سہارے اس کی زندگی آباد تھی ۔

"ماں ! مجھے اچھے کپڑے کل لادو گی نا ؟ ۔ دیکھو پڑوسی بھولی کے کپڑے صمد درزی کی دوکان پر تیار ہو رہے ہیں ۔"

"بیٹا فکر مت کرو ۔ میں کل ضرور تمہیں کپڑے لادوں گی ۔

کہنے کو تو زونہ کہہ گئی ۔ لیکن وہ جانتی تھی ۔ کہ گھر میں رکھا کیا تھا ۔ کپڑے آئے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تو کہاں سے ؟ پانچ روپے کی قلیل رقم اس کا کل اثاثہ تھا ۔ اگر اس کے کپڑے لائے جاویں ۔ تو عید کے کھانے کے لیئے کہاں سے آوئے گا ۔ بنیا روز روز کے تقاضوں سے تنگ آچکا ہے ۔ اور اب وہ اُدھار کب دیئے لگا ۔ وہ شفقت مادری سے مجبور ہو کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی ۔ عزیز نے ماں کو روتا دیکھ کر توتلی زبان میں دلاسا دینے کی کوشش کی ۔ " ماں تو ناراض ہوگئی ؟ "

" نہیں بیٹا "

" ماں تو رومت ۔ میں پرانے ہی کپڑے پہن لونگا ۔ میں اب کبھی کپڑوں کیلئے ضد نہ کروں گا "

زونہ نے کبھی اس بات کا خیال نہیں کیا تھا ۔ کہ عزیز باوجود کم عمر ہونیکے اس قدر حساس طبیعت کا مالک ہے ۔

زونہ اور عزیز نے صبح کا بچا ہوا کھانا کھایا اور رات بھر کے لئے آرام کرنے کے لئے ۔ بستروں پر چلے گئے ۔ زونہ کافی رات گئے تک سو نہ سکی ۔ اسے دو پچھلی عیدیں رہ رہ کر یاد آرہی تھیں ۔ وہ رو رو کر ہلکان ہوگئی ۔

رات کو عزیز کو ہلکا سا بخار ہوگیا ۔ دوپہر ہونے تک درجہ حرارت بلند ہوگیا ۔ اس پر غشی کی سی حالت طاری تھی ۔ وہ عالم غنودگی میں گنگناتا تھا ۔ اس کی زبان سے اختیار نہ نکلتا ۔ . . . . . . " ماں ! میں اب ضد نہ کروں گا . . . . میں پرانے کپڑے ہی پہن لوں گا . . . . ماں مت رو . . . . میں اب ضد نہ کروں گا "

زونہ کانپتی ہوئی ڈاکٹر کے پاس پہنچی . . . . عید کیلئے رکھے ہوئے پانچ روپیہ ڈاکٹر کے ہاتھ پر رکھے . . . . ڈاکٹر آیا . . . .

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

...... بچہ کی نبض دیکھی ...... سانس کا جائزہ لیا ...... دل کی حرکت کو محسوس کیا اور سر ہلا کر چلا گیا ......

زونہ ڈاکٹر کے پیچھے بھاگی اس سے پوچھا کہ اس کے بچے کا کیا ہوگا ڈاکٹر نے سر ہلا کر کہا کہ بچہ کا بچنا مشکل ہے ۔ وہ ڈاکٹر کے سامنے گڑگڑائی اس کے پاؤں پکڑے کہ وہ کسی طرح اس کے بچے کی جان بچائے ۔ وہ سمجھی تھی کہ ڈاکٹر اس کے بچہ کو جیلا دے سکتا ہے ۔ صبحدم عزیز نے ایک آخری سسکی لی اور اس دنیا سے بے گانہ ہو گیا ۔

خوشحال گھروں میں خوشی کے شادیانے بجے رہے تھے ۔ امرا کے ایوان بجلی کے رنگا رنگ بتیوں سے سجائے جا رہے تھے ۔ بازار بقعہ نور بنے ہوئے تھے ۔ خوش قسمت و با وقار لوگوں کی بیویاں بیٹیاں اور بیٹے عید کی خوشی میں نئی نئی پوشاکیں پہن کر بازاروں میں چہل قدمی میں مصروف تھے ۔ کاروں کے مالک فردا سے بے نیاز صاف و ستھری وسیع سڑکوں پر رواں دواں تھے ۔ وزراء و لیڈران قوم کو مبارک بادی کے پیغامات مل رہے تھے ۔ تحفے و تحائف سے انکی خوشنودی حاصل کی جا رہی تھی ۔ دولت و ثروت کی دنیا کے روحانی شاہکار خوش و سرور زندگی کا حظ اٹھانے میں محو تھے ۔ ان کی دنیا سرسبز و شاداب دنیا تھی ۔ خزاں سے ان کو چنداں سروکار نہ تھا ۔ عید ان کے لئے باغ و بہار کا خوش نما تحفہ لے کر آئی تھی ۔ لیکن غریب و مسکین عوام کی جھونپڑیوں میں وہی ابدی تاریکی تھی ۔ وہاں سوائے یاس و حسرت کے کچھ نہ تھا ۔ ان کی عید تفکرات جاویدانی کی عکاسی کر رہی تھی ۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

زونہ امراُ کے رنگین نظاروں اور مفلوک الحال مخلوق خدا کی بے بسی کو پیچھے چھوڑتی ہوئی قبرستان کیطرف بڑھ رہی تھی۔ وہ قبرستان کے اس گوشے میں پہنچی جہاں پیشتر اُس کا سسر اور خاوند خواب ابدی میں سو رہے تھے۔ اُن کی قبریں مٹی کے بدنما ٹیلے تھے۔ جن پر خشک گھاس اپنا تسلط جمائے ہوئے اُس بات کی دلیل پیش کر رہی تھی۔ کہ غربا کی تقدیر بھی سوائے تنگی و عسرت کے کچھ نہیں ہوتا۔

زونہ نے نتھے ہاتھوں اس گوشہ میں ایک گڑھا کھودا اور اپنی عید کی آخری خوشی کو خوابگاہ خاکی میں تیسرا بدنما ٹیلہ بنا کر ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

۷

غریب کی چتا

رات بڑی بھیانک تھی۔ جھونپڑی کے اندر ٹمٹماتا ہوا چراغ اس کے اندر چھپائی ہوئی تاریکی کو دور کرنے کی سعی محض میں بیقید و مشغول تھا۔ لیکن ہوا تھی کہ برابر اس کے مقدس فرض میں مخل ہو رہی تھی اس دیے کی لو ہوا کے معمولی سے جھونکے کے آگے سر تسلیم خم کر دیتی تھی لیکن دوسرے ہی لمحہ پھر عمودی رخ اختیار کر لیتی اور جھونپڑی کی تاریکی کو کم کرنے میں امداد دیتی۔

جھونپڑی کے ایک کونہ میں ٹوٹی ہوئی چارپائی پر پڑا سیتا کا لخت جگر کراہ رہا تھا۔ اس کی زندگی کا چراغ بھی ٹمٹماتا معلوم ہو رہا تھا۔ سیتا کا یہی ایک آخری سہارا تھا۔ آج ایسا محسوس ہو رہا تھا۔ کہ اس کے سہاگ کا سیندور ہمیشہ کے لئے مٹنے والا ہے۔ جب دو سال سے اس کا خاوند بستر مرگ پر پڑا ملک الموت کے سامنے آخری سانس گن رہا تھا تو سیتا کو ننھا راجو پنگوڑے میں اٹکھیلیاں کرتا ایسا لگ رہا تھا۔ کہ اس کے خاوند کی روح اس ننھے کے اندر سرایت کر رہی ہے۔ یہی ایک امید تھی جس کے سہارے اس نے پچھلے دو سال بیوگی کے گزار دئے تھے۔ لیکن آج اسکو ایسا معلوم ہو رہا تھا۔ کہ وہ بیوہ ہو رہی ہے۔ اس کی دنیا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بالکل تاریک ہو رہی ہے ۔ اس کے سہاگ پر غاصبانہ حملہ ہو رہا ہے ۔ اسے ذات نامتناہی کی اس سراسر ناانصافی پر غصہ آ رہا تھا ۔ وہ رات کی تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھی ۔ اور دل سے پکار رہی تھی ۔

اے بھگوان میں نے کون سا ایسا اپرادھ کیا ہے جس کی پاداش میں آج میرا لخت جگر بھی مجھ سے چھینا جا رہا ہے ۔ اور اس کی آنکھوں سے گرم گرم آنسو نکل کر گالوں سے نیچے ایک باریک دھاریں کر رہے ہیں ۔ ڈھلتی ہوئی دھول میں مل کر ہمیشہ کے لئے اپنی ہستی کو ناپید کر رہے تھے ۔ سیتا نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں کے ساتھ ٹمٹماتے ہوئے چراغ کے دھندلکے میں راجو کے پژمردہ چہرہ کو مرحوم خاوند کی خدوخال کو دیکھنے کی کوشش کی ۔ لیکن یہاں کیا تھا! ہر طرف حسرت ہی حسرت برس رہی تھی ۔

سیتا چاہتی تھی ۔ کہ وہ باہر نکل جائے اور راجو کیلئے کوئی امداد بہم پہنچائے ۔ لیکن باہر اندھیری رات کا سناٹا تھا ۔ آسمان پر درخشاں ستاروں کا جمگھٹا تھا ۔ وہ خاموشی کے ساتھ دنیا کو متجسس نگاہوں سے دیکھ رہے تھے ۔ منجمین ہر شخص کی تقدیر کو ان سے وابستہ قرار دیتے ہیں ۔ سیتا بھی مبہوت سی ان کی طرف دیکھتی ۔ تاکہ جان لے کہ اسکی یا اسکے لخت جگر کی قسمت کس ستارہ سے وابستہ ہے ۔ لیکن وہ بیرؤف و متاسف ٹمٹماتے چراغ اور بیمار بچہ کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتی ۔ . . . .

سیتا نے جھونپڑی سے باہر تاروں کے دھندلی روشنی میں اس راستہ کو دیکھنے کی کوشش کی جو جنگل ۔ پہاڑی اور کھیتوں کے بیچ سے ہیر پھیر کھاتا ہوا ۔ شہر کی طرف جا رہا تھا ۔ دن کے وقت اس راستہ پر بڑی چہل پہل

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہوتی تھی ۔ لیکن اِس وقت یہ بالکل سنسان اور ڈراونا تھا ۔ اس کے چاروں طرف بھیانک خاموشی تھی ۔ کبھی کبھار جنگلی جانوروں کی بے ہنگم آوازیں اس غیر معمولی سکون میں حرکت پیدا کر دیتی تھیں ۔ لیکن ان جانوروں کی مختلف بولیاں رات کو زیادہ بھیانک بنا دیتی تھیں ۔ سیتا نے سینہ پر پتھر رکھ کر ارادہ کیا کہ یوں توں رات کو صبح میں بدلنے دے اور صبح کو شہر کا رخ کرے ۔ مرغ سحر نے بانگ دی اور دنیا والوں کو دعوت عمل دی ۔ ہر ایک انسان دن بھر کے کام کے لئے مستعد ہونے لگا ۔ سیتا کو دن کے اُجالا سے ہمت بڑھی ۔ اس نے راجو کے پاس جا کر کچھ محسوس کرنے کی کوشش کی ۔ وہ اس وقت سو رہا تھا ۔ سیتا کے سامنے ایک اور مشکل درپیش تھی ۔ وہ تھی بیمار بچہ کی نگرانی ۔ اگر وہ اس سے اکیلا چھوڑ کر شہر چلی گئی تو پیچھے اس کا نگہبان کون ہو گا ۔ ؟

سیتا کے دماغ کے اندر وہ نظارہ ابھر آیا ۔ جب اسکے زخمی خاوند کی نیم مردہ لاش کو کان سے نکال کر کان کے مزدور گھر لائے تھے ۔ اس کے سیاہ کپڑے خون سے لت پت تھے ۔ جسم کی تمام ہڈیاں چور چور ہو چکی تھیں ۔ سر کے بال مٹی اور خون سے اَٹے پڑے تھے ۔ مزدوروں کے چہرے کان کے کوئلے کے زیر اثر حد درجہ بھیانک دکھائی دے رہے تھے ۔ ان چہروں پر بظاہر خون کے معمولی سی بھی جھلک نہ تھی ۔ تمام کے تمام زرد اور پژمردہ تھے ۔ ان پر زندگی کا شک ہوتا تھا ۔ انہوں نے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں اظہار ہمدردی کیا ۔ اور پھر میٹ کی آواز نے انہیں چونکا دیا ۔ . .

. . . .

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سیتا نے زندگی میں پہلی بار آلِ آدم کی اس بے بسی کا احساس کیا تھا۔
ان مزدوروں نے آشفتہ دل ہو کر اپنے ایک جدا ہوتے ہوئے ساتھی کو الوداع کہا اور میت کے ہمراہ چلنے پر آمادہ ہوئے۔ زخمی دینو نے صرف آنکھ کے اشارہ سے ان کو رخصت دی . . . . . اس کے آنکھوں کا پانی خشک ہو رہا تھا ۔ وہ.. خشک ہو کر بھیانک رنگ اختیار کر رہی تھی ۔ زندگی کی آس عبث معلوم ہو رہی تھی

کان کے مالک نے کوئی طبی امداد بہم نہ پہنچائی ۔ کیا وہی وہ انسان ہے؟ جو اشرف المخلوقات کہلاتا ہے۔ کیا یہی اس کے کارہائے احسن ہیں؟ کیا یہی آدمیت ہے؟ کیا اسی کو آدمیت کہتے ہیں؟

ایک طرف انسان کو کام پیارا ہے۔ جب تک وہ زندہ ہے ۔ اس سے سود کی امید قایم ہے تو اس سے اختلاط رکھنے پر آمادہ ہے ۔
لیکن جب سود کی امید ختم ہوئی تو اسے یکسر طاقِ نسیاں پر رکھ دیا
آج مادیت پرستی ہی شیوہ انسانی ہے۔ انسان کے تمام انتظام سرمایہ داری کی سنہری چادر کے نیچے دبے رہتے ہیں۔ لیکن یونہی یہ پر اسرار چادر قادرِ مطلق نے اٹھائی تو اہلِ عالم کو اس کے اندر چھپی ہوئی برائیاں دکھائی دینے لگیں۔ . . . حالانکہ ان بدعتوں نے بنی نوعِ انسان سے چولی دامن کا ساتھ رکھا ہے۔

تیسرے ہی روز کان کے مالک کے کچھ ملازمان آئے اور انہوں نے سیتا کے ہاتھ پر دینو کی زندگی اور اس کے سہاگ کی قیمت رکھ دی۔ یہ کیا تھا؟
چند نوٹ تھے . . . . میلا لفافہ . . . . . . بیس (۲۰) روپیہ . . . . .
یہ تھی قیمت ایک نوجوان، محنتی، وفادار اور ایماندار مزدور کی زندگی کی جس نے اپنی محنت شاقہ اور بے لوث قربانی سے کان کے مالک کو ان نوٹوں کا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

مالک بنا دیا تھا۔ لیکن دینو اس وقت زندگی کے آخری سانس لے رہا تھا وہ ان روپیوں کو دیکھ نہ سکا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دینو نے آخری سانس لیا اور ہمیشہ کے لئے اس قید و بند کی دنیا سے نجات حاصل کر لی

ماں ڈاکٹر آیا ؟ راجو نے دھیمی سی آواز میں کہا "

"بیٹا آتا ہی ہوگا"

کہنے کو سیتا یہ الفاظ کہہ گئی۔ لیکن وہ جانتی تھی کہ یہ سراسر جھوٹ تھا یہ ایک صریح دھوکا تھا۔ ایک ایسی روح کیساتھ جسے ابھی دنیا کی کمینہ حرکت و بے مروتی کا قطعاً کوئی تجربہ نہ تھا۔ جس نے ماں کی ممتا کے باہر کچھ نہ دیکھا تھا۔ اور نہ ہی محسوس کیا تھا۔ اسے ابھی نیک و بد کی بھی تمیز نہ تھی وہ جھوٹ اور سچ کے اساسی اختلافات سے بے بہرہ تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ لیکن مجبوری انسان کو کیا کچھ کرنے پر راضی نہیں کر دیتی ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ بے بسی کے عالم میں وہ کمینہ ترین حربے اختیار کر کے اُنا سے استعانت کی اُمید باندھتا ہے۔ اس وقت ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ زندگی فریب و دغا کا دوسرا نام ہے ۔ صبح نے انگڑائی لی اور تاریکی کی چادر کو ذرا بھر کے لئے پورب کی آغوش میں تہہ کر کے رکھ دیا ۔ سیتا کو ایسا محسوس ہوا کہ خوشگوار صبح اُس کے بچے کے لئے حیات جاوید لے کر آئی ہے۔ اُس نے جھونپڑی کے چاروں طرف اُچٹتی سی نظر ڈالی ۔ بیچارہ راجو ساری رات شور درد کی وجہ سے سو نہ سکا تھا ۔ اُس وقت باد نسیم کے ہلکے ہلکے خنک جھونکوں نے اُسے تھپکی دے کر نیند کی آغوش میں دے دیا تھا۔ سیتا کو راجو کے پژمردہ چہرہ پر کچھ تازگی کا احساس ہوا ۔ اُس کا حوصلہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

باندھا وہ اُٹھی . . . . . . تو اکی سیاہی انگلی سے لاکر راجو کی زرد پیشانی پہ لگادی تاکہ اسے آسیب کا خدشہ نہ رہے۔

سیتا نے ایک مایوسانہ نظر بیمار بچہ پر ڈالی اور دبے پاؤں گھر سے باہر نکل گئی وہ آج دنیا سے اظہار ہمدردی کی امید لے کر جا رہی تھی۔ اسے آشا تھی۔ شہر کے لوگ ضرور اس کی امداد کرینگے۔ گاؤں کی ٹوٹی پھوٹی جھونپڑوں کے اندر اور باہر چاروں طرف یاس و عسرت برستی ہے۔ لیکن شہر کی دنیا عالیشان بنگلوں خوشنما کوٹھیوں۔ صاف ستھری سڑکوں اور خوشگوار ماحول کے اندر پر امید اور فارغ البال زندگی بسر کرتی ہے۔ اسے وہاں ہر ممکن امداد کی توقع تھی۔

سیتا رواں دواں اپنی امیدوں کے مرجع کی طرف جا رہی تھی۔ شہر نزدیک تھا۔ وہ آدھ گھنٹہ کے اندر اندر شہر کے مضافات میں پہنچ گئی ایک ایک جگہ بہت سی گاڑیاں جمع تھیں۔ وہاں ایک کرسی پہ بیٹھا ہوا ایک آدمی رجسٹر لئے گاڑی والوں کو رسد دے رہا تھا۔ کچھ مرد و زن ایسے تھے۔ جو سروں پہ دودھ کے برتن لئے جا رہے تھے۔ کچھ لوگ ایسے تھے۔ جو سبزیاں اور دیگر اجناس لئے شہر کے جانب جا رہے تھے۔ ان سے بھی پیسے وصول ہو رہے تھے۔ گاؤں میں ایسی کوئی پابندی نہ تھی۔ اسے ڈر پیدا ہوا کہ اسے بھی روک نہ لیا جاوے۔ وہ اس خیال کے پیش نظر کہ کہیں انسانوں کے داخلہ کے بھی پیسے نہ وصول ہوتے ہوں۔ گھبرا کر ایک طرف کھڑی ہو گئی۔ ایک خاکی پوش نوجوان اس کی طرف بڑھا اور پوچھا کہ وہ کیا لے جا رہی ہے۔ سیتا نے سہم کر کہا کہ وہ شہر جا رہی ہے۔ اور خالی ہاتھ ہے۔ یہ سنکر وہ خاکی پوش دوسری طرف چلا گیا اور سیتا آگے بڑھی۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بازاروں میں بڑی چہل پہل تھی۔ بظاہر یہ لوگ بڑے بامروت احسن آدمیت پرست۔ خوش پوش اور خوش شکل دکھائی دیتے تھے۔ ان کے چہروں پر تازہ گی اور تبسم دائمی کھیل رہا تھا۔ ہر مرد و زن فکر فردا سے بے نیاز دکھائی دیتا تھا۔ کاریں تھیں۔ ٹانگے تھے۔ سائیکل تھے۔ رکشا تھے۔ بابو تھے مزدور تھے۔ رئیس تھے۔ نوجوان جوڑے تھے۔ جو بازاروں میں چہل قدمی کر رہے تھے۔ منڈی میں خرید و فروخت ہو رہی تھی۔ بڑی بڑی دوکانیں تھیں۔ ان میں اکثر وہ اشائیں تھیں جو سیتا نے زندگی میں نہیں دیکھی تھیں۔ اس نے زندگی میں پہلی بار یہ چیزیں دیکھی تھیں۔ وہ انکے نام تک نہیں جانتی تھی۔

سیتا کو مانگنے کی مہارت نہ تھی۔ اس نے زندگی میں مانگنا بھی سیکھا نہ تھا۔ دیہاتی زندگی حد درجہ سادہ ہوتی ہے۔ دیہاتی عوام کی ضروریات زندگی محدود ہوتی ہیں۔ سیتا کو شہری ماحول میں آکر اس بات کا احساس ہوا کہ انسان کی ضروریات زندگی کس قدر با افراط ہیں۔ سیتا ایک دوکان کے سامنے جاتی وہ ٹھٹھک جاتی۔ اندر جانے کی جرأت نہیں کر سکتی تھی۔ اس کی آنکھیں چندماہ میں قوت باصرہ جواب دے جاتی۔ وہ اپنے میلے کچیلے چیتھڑوں کی طرف دیکھتی تو اسے خود اپنے آپ سے ڈر لگنے لگتا۔ وہ اس پاس کے ماحول کا جائزہ کرتی۔ دل کرتا کہ واپس چلی جائے اور گاؤں میں کسی عمیق کنوئیں میں چھلانگ لگا کر اس زندگی ہی کو ختم کر دے۔ لیکن پھر اسے راجو کا خیال آتا۔ تو بے اختیار آگے بڑھتی۔

بڑے بازار میں بڑی کیساتھ ایک کار کھڑی تھی اس کے اندر ایک باوضع

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

خوش اخلاق جوڑا بیٹھا تھا۔ شوفر کہیں باہر گیا تھا۔

" بابو جی میرا بچہ بیمار ہے۔ دوائی کے لئے کچھ مل جاوے "

نوجوان عورت نے حقارت بھرا قہقہہ لگایا۔ اور منہ دوسری طرف کر کے بازار کے رونق سے لطف اندوز ہونے لگی۔

" میں سچ کہتی ہوں "

" اری بچہ کہاں ہے؟ نوجوان عورت نے کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے کہا "

" گاؤں میں "

" بچہ گاؤں میں۔ اور بھیک مانگنے آئی شہر میں؟ "

سیتا نے باوجود اس امر کے کہ وہ غریب والدین کی بیٹی اور مفلس خاوند کی بیوی تھی اور والدین اور خاوند کی امداد سے بھی محروم ہو چکی تھی۔ کبھی کسی غیر کے آگے دست سوال دراز نہ کیا تھا۔ اُس نوجوان عورت کے یہ الفاظ اُس کے دل میں تیر کی مانند لگے۔ اُسے ایسا محسوس ہوا کہ کوئی اُسے گالی دے رہا ہے۔ لیکن .... وہ اپنے جذبات کو اندر ہی اندر دبانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اُسے ایشور کی ذات پر غصہ آ رہا تھا۔ کہ کیا اُس کا یہی انصاف ہے۔ وہ اپنے پتی سے محروم ہوئی اور پھر اُس کا لخت جگر اُس سے چھنا جا رہا ہے۔ جب وہ دنیا والوں کے سامنے امداد کے لئے نکلی تو اُسے حقیر ترین بھیک منگنی قرار دیا گیا۔

" نہیں میں سچ کہہ رہی ہوں۔ ایشور کے لئے میرے حال پر رحم کر "

" جا! جا! کسی چاہنے والے سے جا کر مل "

سیتا کی آنکھیں یہ طعنہ سن کر نیچے جھک گئیں۔ آج اُس کی عصمت پر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بھی تنگ گذر رہا تھا۔ اس بچاری نے کبھی مرحوم خاوند کے سوا کسی غیر مرد کو آنکھ بھر کر بھی نہ دیکھا تھا۔ اس نے کبھی اپنے شباب کو شیشہ کے اندر منعکس نہ دیکھا تھا۔ پھر اُس عورت کو یہ الفاظ کہنے کی کیسے جرأت ہوئی ....

ایک بزرگ سیرت دوکاندار کرسی پر بیٹھا گاہک کی انتظار کر رہا تھا۔ سیتا عجز و انکساری کیساتھ اس کے سامنے گڑگڑائی۔ یہاں اُسے کیا ملا؟ گالیاں اور جھڑکیاں۔ ...... اس بزرگ کے اسلوب سے سیتا کو بڑا تلخ تجربہ ہوا۔ سیتا نے اوائل عمر سے آج تک کسی کی جھڑک نہ سنی تھی۔ پر گردش دوراں نے یہ دن بھی اُسے دکھانا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے ...... لیکن اس وسیع دنیا میں اس کے آنسوؤں کو دیکھنے والا کون تھا۔ اس نے دوپٹہ کے میلے آنچل سے آنکھوں کو پونچھ لیا۔

لمبا اور چوڑا بازار اب ایک تنگ اور تاریک گلی میں بدل رہا تھا۔ وہ آگے جا رہی تھی۔ اس اُمید کے سہارے کہ شاید ان گھروں میں ہی کوئی پرسان حال مل جاوے۔ ایک تنگ کوچہ میں اُسے پیچھے سے کسی نے آواز دی۔ وہ جھجکی اور اُس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ ایک نوجوان اُس کے بالکل نزدیک کھڑا مسکرا رہا تھا۔ وہ خوش گفتار معلوم ہوتا تھا۔ اُس نے بڑے ہمدردانہ لہجہ سے پوچھا کہ وہ کدھر جا رہی ہے۔ سیتا نے ناجوگی بیماری کا حال کہہ سنایا۔ اس نوجوان نے ایک گھر کے دروازہ کی طرف اشارہ کیا۔ سیتا اس بازاری لفنگا کے چکمہ میں آگئی۔ سیتا کا اندر داخل ہونا تھا کہ اس بدکردار نے کھڑاک سے دروازہ بند کر دیا۔ اُس نے سیتا کو بازو سے پکڑ لیا۔ سیتا لرزہ براندام تھی آب ندامت سے اس کا جسم شرابور تھا۔ اُس نے چیخ ماری۔ لیکن کوئی اس کی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

امداد کو نہ پہنچا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

سیتا سنبھلی اُس نے دائیں بائیں دیکھا ۔ نوجوان کھڑا مسکرا رہا تھا ۔ اُس کے ہاتھ میں دو روپے کا ایک نوٹ تھا ۔ یہ معاوضہ تھا ۔ یہ قیمت تھی اس عصمت کی ۔ جس نے عورت کو دیوی کا درجہ دے رکھا ہے ۔ یہی وہ چیز جس کی حفاظت کیلئے مُتاخرین نے جانیں قربان کردیں ۔ خون کے دریا بہا دئے ۔ اور اپنے عزیز و اقارب کے رنگین خون کی ہولی کھیل کر میدانِ جنگ کو قیامت کا منظر بنا دیا ۔ ایسے واقعات سے تاریخ وطن بھی پڑی ہے ۔ لیکن آج اسی عورت کی عصمت و پاکبازی کوڑیوں کے بھاؤ سرِ عام بک رہی تھی ۔

سیتا نے باہر نکل کر اپنے جسم کو بغور دیکھا ۔ اُسے اس سے ڈر لگ رہا تھا ۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا ۔ کہ اس کا سب کچھ لٹ چکا ہے ۔ اُس کا یہ جسم اپنا نہیں ۔ بلکہ سراسر آلودہ ہو کر بیگانہ ہو چکا تھا ۔ وہ گاؤں سے قوت ازمائی کے لئے شہر کی طرف نکلی تھی ۔ لیکن قادر مطلق نے اُسے قعرِ ذلت میں دھکیل کر اسے اپنے ہی نظروں میں اسے ذلیل و خوار کر دیا ۔ اس کی اپنی تو تقصیری کیا تھی ۔ وہ اپنے لاڈلے کے لئے زندگی کی بھیک مانگنے آگے بڑھی تھی ۔ لیکن دنیا نے اُس کی مجبوری کا فایدہ اُٹھاتے ہوئے اسے زندگی کے ایک قیمتی زیور سے بھی عاری کر دیا ۔ گاؤں میں کسی نے اس قدر جسارت نہ کی تھی ۔ لیکن شہر جو مہذب اشخاص کا مرکز تصور کیا جاتا ہے ۔ میں ایک ابلا کی عصمت مٹی میں مل گئی ۔ ۔ ۔

اُس نے دل کو ڈھارس دی ۔ بیمار بچے کا دھیان کیا ۔ دل میں ایک ہوک اُٹھی وہ بیتاب ہو گئی ۔ لیکن اس کا دل اُسے لعنت کر رہا تھا ۔ وہ کونسا منہ لیکر اس کے سامنے جائیگی ۔ وہ اس معصوم کو کیا کہیگی ۔ کیا وہ اس پاک روح کو

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

پھر دھوکا میں رکھیگی۔ کیا وہ اس روح کو جو ابھی دنیا کی آلائشوں سے پاک و منزا ہے۔ محض افشائے راز سے احتراز کرنے کی خاطر جھوٹ بولے گی۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ وہ بالکل صاف گوئی سے کام لیگی۔ لیکن وہ ابھی ان باتوں کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ پھر وہ کانپ اٹھی۔ ایسے یوں معلوم ہوا کہ راجو کے والد کی روح آسمان کی پہنائیوں سے غلیظ آلود نگاہوں سے دیکھ رہی ہے۔ اور اسے لعنت و ملامت کر رہی ہے۔

وہ راستہ چلی گئی . . . . سورج دیوتا دن بھر کے تھکے افق میں ڈبکی لگا چکے تھے۔ گاؤں کے چرواہے اپنے ریوڑوں کو گھر کی طرف ہانک رہے تھے۔ کسان دن بھر کھیتوں میں کام کرنے کے بعد راحت و تفریح کی آس لئے اپنے گھروں کی طرف بڑھے جارہے تھے۔ سیتا کو انسان تو انسان جانوروں کی آنکھیں بھی کھانے کو آرہی تھیں۔ وہ برگشتہ خاطر اپنے دل پر ہزاروں بوجھ لئے اپنی جھونپڑی کی طرف جارہی تھی۔ وہ قدم قدم پر رک جاتی تھی۔ لیکن ایک کشش تھی جو اسے جھونپڑی کی طرف کشاں کشاں لے جارہی تھی۔ ورنہ وہ دنیا کی نظروں سے دور ایک ایسے گوشے میں چلی جانا چاہتی تھی . . . . جہاں سے انسان کبھی واپس نہیں آتا . . . .

اب جھونپڑی بالکل سامنے تھی۔ اس کے صحن میں بنا ہوا چبوترہ اپنی پہلی سی حالت میں قایم تھا۔ برگد کا پرانا درخت اپنا اتنا ہی ہے۔ پرانی ہی شان کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس پر آسرا لینے والے پرندے مختلف بولیاں بول رہے تھے۔ کچھ تو آشیانوں میں جا دبکے تھے۔ کمسن پرندے اپنی ماتاؤں کے پروں کے نیچے سکڑ رہے تھے۔ گائے اپنے چوپال میں آکر ساکت کھڑی تھی۔ وہ سیتا کو دیکھتے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہی بول اُٹھی۔ سیتا کو اُس کی آنکھیں شناسی دکھائی دے رہی تھیں۔ اس کی آواز حقارت کی متحمل جان پڑ رہی تھی۔ سیتا کو اس کی آنکھوں سے ڈر لگنے لگا تھا۔ اس نے گائے کی طرف سے نظر موڑ لی۔ گائے اس بے اعتنائی سے متحیر سی برابر ٹکٹکی لگائے دیکھتی رہی۔ وہ اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں۔

جھونپڑی کا دروازہ سامنے دکھائی دے رہا تھا۔ وہ جھونپڑی جو اسے اس قدر مانوس تھی جس میں اُس نے ازدواجی زندگی کے دس سال بسر کئے تھے۔ یہاں اُس نے زخمی خاوند کو وداع ہوتے دیکھا۔ جس کے اندر اُس کا راجو دو سال کا ہوا۔ جس کے صحن کے اندر راجو نے گھٹنوں کے بل چل کر پاؤں پر کھڑا ہونا سیکھا جس جھونپڑی نے اس کو موسم کے تغیر و تبدل سردی و گرمی سے پناہ دی تھی۔

جس جھونپڑی نے اس کی عصمت کو امان بخشی تھی اور آج جس جھونپڑی کے اندر اُس کی زندگی کا سہارا انتظار میں پڑا تھا جو اس کی متاع تھا۔ جس جھونپڑی سے اس کی آئندہ زندگی کی آرزوئیں وابستہ تھیں....

آج وہی جھونپڑی ..... بلکہ اس کا ہر ذرہ اُسے بدلا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ ہر ذرہ زبان بن کر اس کو پوچھ رہا تھا ....

اُسے ہر سو استفہامیہ آوازیں اُٹھتی ہوئی سنائی دے رہی تھیں....

اُس نے آنکھوں پر ہاتھ پھیرا۔ اس بات کا یقین کرنے کی خاطر کہ حقیقتاً وہ اس جھونپڑی کے سامنے کھڑی ہے۔ جھونپڑی تو وہی تھی .....

لیکن سیتا وہ سیتا نہ تھی۔ جو اس کو چھوڑنے سے پہلے تھی......

باد مخالف کے ایک ہی جھونکا نے اس کی دنیا بدل دی تھی اب وہ بجائے ایک عصمت مآب خنجر فلک و قوم دیوی کے ایک رذیل ترین عورت

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تھی۔ جس کی ذلت ایک اوباش آدمی کے حیوانی جذبات کی نذر ہو چکی تھی۔

دروازہ کھلا۔ سیتا راجو کی چارپائی کی طرف لپکی۔ لیکن راجو مشت خاک تھا۔ اُسے بخار بالکل نہ تھا۔ وہ قطعاً طبی امداد کا محتاج نہ تھا جسم آدھا کھلا رہ گیا تھا۔ اُس کے معصوم چہرہ پر عجیب سکون دکھائی دے رہا تھا۔ اُس کے ہونٹوں پر گلہ و شکوہ کے کوئی آثار نہ تھے۔

سیتا نے اس کے مردہ جسم کو چھاتی سے لگا لیا۔ دوسرے ہی لمحہ وہ پیچھے ہٹی۔ مبادا کہ راجو کی روح اُسے دھتکار دے۔ حالانکہ راجو کی روح ان انسانی بندھنوں کو توڑ کر عالم ارواح میں انسانی خود غرضیوں و چیرہ دستیوں کی آماجگاہ سے بے نیاز ہو چکی تھی۔

راجو کے مردہ جسم کو سپرد آتش کرنے کے لئے سیتا کے پاس دھرا ہی کیا تھا۔ صرف سر کی اوڑھنی تھی۔ جس سے اس کے جسم کو ڈھانپا جا سکتا تھا۔ باہر ہو کا عالم تھا۔ رات نصف سے زیادہ بیت چکی تھی۔ آسمان پر ستارے پوری آب و تاب سے چمک رہے تھے۔ سیتا نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ راجو کی نعش کو گود میں لیا۔ اُس نے چپکے سے جھونپڑی کو خیرباد کہی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

سیتا نے ہر چہار اطراف نظر اٹھا کر دیکھا۔ سوائے رات کی تاریکی کے اُسے کچھ دکھائی نہ دیا۔ دریا اپنے بہاؤ پر جا رہا تھا۔ اس کی لہریں تاروں کی مدھم روشنی میں سفیدی مائل دکھائی دے رہی تھیں سیتا نے اُچٹتی ہوئی ایک نظر راجو کے پژمردہ چہرے پر ڈالی۔ ۔ ۔ ۔ دریا ۔ ۔ ۔ ۔ کے اندر پھلانگ لگا دی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

۸

زندگی کے چوراہے پر

مالن کا تصور اپنی ازدواجی زندگی کے خیال میں کھو گیا تھا۔ وہ ابھی سن بلوغت کو بھی نہیں پہنچی تھی کہ اس کے والدین کو اس کی شادی کی فکر دامن گیر ہوئی۔ انہیں اس کی جلد شادی کی فکر تھی۔ وہ اپنے گاؤں کو چھوڑ کر کسی دور کے گاؤں میں اس کی منگنی کے لیئے دوڑ دھوپ کر رہے تھے۔ وہ کسی طرح اپنے ہونے والے جیون ساتھی کے متعلق سوچتی اور پھر دل ہی دل میں کہتی۔ وہ ایسا ہوگا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جیسا ہوگا۔ ۔ ۔ ویسا ہوگا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ کیا کام کرتا ہوگا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اُس کے والدین کیسے ہونگے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اُسے وہ کیسے کپڑے دیگا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ زیور دیگا غصیلہ ہوگا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نیک سیرت ہوگا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن شرم و حیا حجاب بن کر سامنے آجاتی اور وہ کسی سے اپنے ہونے والے خاوند کی نسبت کچھ پوچھنے کی جرأت نہ کر سکتی تھی۔ حالانکہ مینا اس کی سہیلی بھی اسی گاؤں میں بیاہی گئی تھی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مینا نے کئی بار از راہ تعارف رام چند کی نسبت گفتگو چھیڑنے کی کوشش کی لیکن وہ اُسے جھڑک دیتی تھی۔ وہ پھر باورچی خانہ میں چلی جاتی۔ مینا بچاری اکیلی دالان میں بیٹھی رہتی۔

آخر اس کی شادی طے ہوگئی۔ بارات آئی۔ بڑی دھوم دھام ہوئی۔ بارات کی خاطرداری میں انتہائی تکلف برتا گیا۔ پھر اس کے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

عزیز و اقارب نے اُسے آبگین آنکھوں کے ساتھ پالکی میں سوار کیا۔ وہ ایک اجنبی انسان کے ساتھ ایک اجنبی گاؤں میں چلی گئی۔

سسرال پہنچے۔ پر اس کی خاطر تواضع میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی۔ وہ شرم سے جھکی ہی رہی۔ مرد تو مرد اس سے مستورات تک کو آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ چند دن سسرال میں رہنے کے بعد وہ واپس میکے گھر آئی۔ چند ماہ بعد وہ پھر سسرال گھر گئی۔ اس وقت وہ اس کا خاوند اور ایک نائن تھی۔ راستہ میں کسی طرح اس نے کنکھیوں سے رامچند کو دیکھنے کی کوشش کی تھی۔

وہ ایک وجیہہ و شکیل نوجوان تھا۔ اس کا سبزہ خط اس کے گورے چٹے اور سڈول چہرہ پر کیسا بھلا لگتا تھا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں ایک معصومانہ جھلک تھی۔ اُس چہرہ پر دائمی تبسم دائمی کھیل رہا تھا۔ مالتی کے دل میں پہلی ہی نظر میں اس نوجوان کے لئے عجیب کشش محسوس ہونے لگی تھی۔

سسرال میں ساس، سسر اور خاوند کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ رامچند ان کا اکلوتا نور چشم تھا۔ رامچند اپنے بزرگ والدین کا بڑا احترام کرتا تھا۔ اونچی آواز میں والدین سے مخاطب ہونے کو وہ گناہ کبیرہ سمجھتا تھا۔ وہ والدین سے بڑی میٹھی اور دھیمی آواز میں بولتا تھا۔ اگر کبھی والدین کسی گھریلو بات پر ذرا ناراض ہو جاتے تو وہ بڑا خائف دکھائی دیتا تھا۔ تو مالتی کے ساتھ ملاقات کرنے میں وہ حد درجہ پردہ داری سے کام لیتا تھا لیکن بڑا لطف تھا۔ ان پوشیدہ ملاقاتوں میں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

مالن کو اپنی زندگی کا وہ واقعہ بھی یاد آیا۔ اس کی شادی کو ہوئے عرصہ پندرہ سال ہونے کو تھا۔ موہن اور نمی بتدریج ۱۰ اور ۶ سال کے تھے وہ باورچی خانہ میں کھانا کھا رہی تھی۔ بوڑھی ساس سامنے چوکے پر بیٹھی دودھ کو برتن میں ڈال رہی تھی۔ اتنے میں وہ دوکان سے آ گئے اسے گھونگھٹ کھینچنے میں چند سکنڈ لگے۔ بوڑھی ساس نے تیکھی نظروں سے دیکھا بس ایک ہی نظر میں مالن سٹپٹا گئی تھی۔ وہ شرم سے پسینہ پسینہ ہو گئی تھی۔ جب پیرانہ سال ساس و سسر راہی ملک عدم ہوئے تو برابر ایک سال وہ ان کی رسومات مرگ کو کمال تندہی و عقیدت کیسا تھ انجام دیتی رہی۔ آخر وہ منحوس گھڑی بھی آئی۔ جب وہ اسے داغ مفارقت دے گئے۔ وہ برابر ایک سال تک ہندو رسم و رواج کے مطابق ان کی روح کی شانتی کے لئے ریاضت کرتی رہی۔ آج بھی اس کے دل میں ان بزرگوں کے لئے عزت و توقیر اور عقیدتمندی کے ملے جلے جذبات اس کے اتھاہ گہرائیوں میں موجود تھے۔

یہ صورت اس کے اپنے خاندان کی نہ تھی۔ بلکہ سارا گاؤں انہی اصولوں کا شیدا تھا۔

۔۔۔۔ پھر زمانہ نے پلٹا کھایا۔ آزادی کی صبح نے سماج کے اس ڈھانچہ کو بے ہودہ اور فرسودہ قرار دیا۔ پرانے اصولوں کی پابندی کو قدامت پسندی کا نام دیا جانے لگا۔ مذہبی رسم و رواج کو توہم پرستی کے نام سے منسوب کیا جانے لگا۔ سماجی شرم و حیا اور بزرگوں کی عزت و تعظیم کو غلامی سے تعبیر کیا جانے لگا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

موہن تو کالج کی آزاد فضاؤں میں گم ہو گیا۔ کیونکہ مخلوط تعلیم کے ہر لڑکے اور لڑکی کو شرم و حیا کی شرنجلی دینے کی تلقین کی۔ موہن کالج کی کسی نہ کسی لڑکی کو روز گھر لے آتا۔ یہ لڑکیاں بے باکانہ طور پر کئی کئی گھنٹے ڈرائنگ روم میں موہن کیساتھ تنہائی میں بیٹھی رہتیں۔ اور پتہ نہیں کیا کیا کرتی تھیں۔

مائین نے ایک دو بار موہن کو دھتکارا وہ سخت برافروختہ ہوا۔ اس لئے اُسے مجبوراً چپ سادھنی پڑتی تھی۔

موہن دن بدن بگڑتا گیا۔ اس کو کسی کا خوف نہ تھا۔ فضول خرچ بھی حد درجہ کا تھا۔ آخر بھرے خزانے بھی مسلسل خرچ سے خالی ہو جاتے ہیں۔ پیہم فضول خرچی نے خاندان کی اقتصادی حالت کمزور کر دی۔ لیکن موہن کو اس سے قطعاً کوئی سروکار نہ تھا۔ نمی بھی نوجوان ہو چکی تھی۔ موہن کی دیکھا دیکھی وہ بھی خاندانی روایات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے نوجوان لڑکوں کی صحبت معیوب نہ سمجھتی تھی۔ بال کٹوا دئے۔ نت نئے فیشن کے کپڑے تیار ہو جاتے۔ وہ ننگے سر نوجوان لڑکوں کی باہوں میں باہیں ڈال کر ماں کے سامنے سے گذر جاتی۔ ماں بیچاری ایک بے بس و مفلوج عورت تھی۔ جس کو ہر دو بیٹا اور بیٹی پر والدہ کے ناطے کوئی کنٹرول نصیب نہ تھا۔ مائین کی حالت ایک خادمہ سے بھی بدتر تھی۔ نمی اور موہن کو ماں کا پکایا ہوا کھانا بھی پسند نہ آتا تھا۔ وہ ہوٹلوں کے شیدا تھے۔ کئی کئی رات وہ گھر کی سدھ ہی نہ لیتے تھے۔ ماتی سوچتی کہ بچے ہیں۔ نادان ہیں۔ کچھ دن بعد سمجھ جائینگے۔ لیکن یہ اُمید بالکل عبث تھی۔

ایک دن ماتین نے نمی کو سنجیدگی سے اکیلے پن میں کہا۔ کہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

وہ اپنے رویہ میں تبدیلی لائے۔ اس نے یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ موہن کے نقش قدم پر چلنا اس کے لیے واجب ہیں۔ وہ لڑکا ہے۔ اور وہ لڑکی ہے۔ ہر دو کا سماج کی نظروں میں الگ الگ درجہ ہے نمی والدہ کی نصیحت اور پند سن کر پر اسرار طور پر مسکرائی اور کمرہ کے باہر چلی گئی۔

مالن بچاری دیکھتی ہی رہ گئی۔ وہ حیران تھی۔ کہ ان حالات میں آخر ہوگا کیا؟ اس کو اس وقت انتہائی دکھ ہوتا۔ جب اسے یہ پتہ لگا کہ نمی شراب کا بھی استعمال کرتی ہے۔ موہن تو ہر وقت شراب میں بدمست رہنے لگا تھا۔ وہ اس راہ میں نخاوند سے کام لے رہا تھا۔ جب کبھی وہ رات کے وقت گھر کو آتا تو اس کے پاؤں لڑکھڑاتے تھے۔ اور زبان سے لفظ تک نہ نکلتا تھا۔

مالن بے چاری ساری ساری طویل راتیں بھر سوچ و بچار میں مستغرق بنا دیتی تھی۔ ضعیف العمر ہونے کے ساتھ غم و اندوہ نے اس کی کمر کو چند ہی سالوں میں دوہرا کر دیا۔ وفور اشک ریزی نے اس کی آنکھوں کی بینائی کو کم کر دیا۔ دل بجھا بجھا رہتا۔ پہلے دنوں کی یاد تازہ ہو اٹھی۔ وہ اس چبوترے اور گدی کی طرف آب گیں آنکھوں سے دیکھتی۔ جس پر اس کا سسر اور پھر رام چند اس کا خاوند بیٹھا کرتا تھا۔ کتنی شان ہوتی تھی۔ اس چبوترے کی۔ جب گاؤں کے سرکردہ لوگ وہاں آکر بیٹھتے۔ وہاں اچھی خاصی مجلس گرم ہو جاتی تھی۔ ان کی موجودگی میں گھر کے اندر چھایا ہوا سکوت بڑا مسحور کن معلوم ہوتا تھا۔ اس مجلس میں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

دھار مک اور سماج سدھار کے مضامین زیر بحث لائے جاتے تھے۔

مالتی کے دل میں بزرگوں کی ہر چیز کے لئے تقدس تھا۔ اور اتھاہ عقیدت تھی۔ لیکن خاندان کا ننگ و ناموس ایک طوفانی سمندر میں پھنسی ہوئی کشتی کی طرح ہچکولے کھا رہا تھا۔ مالتی ایک بے بس ناخدا کی طرح ساحل کے کنارے اس کشتی کو صحیح و سلامت کنارے پر لگانے کے لئے دعائیں کر رہی تھی۔

بنک میں جو روپیہ تھا۔ وہ تو موہن نے فضول خرچیوں میں صرف کر دیا۔ باغات اور رہائشی بنگلہ کے علاوہ تمام مکانات و اراضیات گروی رکھ دی گئیں۔ پھر بھی اس کی آنکھیں نہ کھلیں۔ اس کی عادات و اطوار نہ بدلے۔ اس نے ان باتوں میں والدہ کو بھی راز دار نہ بنایا اور نہ ہی کبھی صلاح و مشورہ لیا۔ وہ خود اپنے آپ سے بیگانہ تھا۔ ایسی صورت میں وہ نمی کو راہ راست پر لانے میں حد درجہ قاصر تھا۔ آخر موہن کے اخراجات میں کمی واقع ہونے لگی۔ مستقبل کے ڈر سے نہیں۔ بلکہ ذرائع کی کمی کی وجہ سے رفتہ رفتہ دوست و احباب کی ملاقاتوں میں پہلی سی باقاعدگی نہ رہی۔

موہن اور نمی اکثر سراسیمگی میں رہنے لگے۔ وہ بہت کم کمرہ سے باہر نکلتے تھے۔ ان کا وقت زیادہ تر سرگوشیوں میں گذرتا تھا۔ مالتی اس غیر معمولی تبدیلی کے سبب کو سمجھنے کیلئے دماغ پچی کرتی لیکن لاحاصل وہ کسی فیصلہ کن نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتی تھی۔ آخر اس نے سوچا کہ کیوں نہ وہ کبھی دروازے کان لگا کر ان کی باتوں کو سنے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

موہن اور نمی عموماً بیٹھک کا دروازہ بند رکھتے تھے۔ ایک دن وہ دونوں اندر ہی تھے۔ کہ مائن دبے پاؤں بیٹھک کے دروازہ پر گئی۔ کان لگا کر دونوں کی باتیں سننے لگی۔ موہن نمی کو کہہ رہا تھا۔ کہ سوائے رہائشی مکان کے کوئی جایداد باقی نہ رہی ہے۔ ان کے لئے رہائشی مکان کو گروی رکھنے کے سوائے کوئی چارہ نہیں ہے۔

مائن کا ماتھا ٹھنکا۔ وہ الٹے پاؤں مڑی۔ اس کی گھگی بندھ گئی۔ اپنے مستقبل کا فکر دامن گیر ہوا۔ اسے پہلے کبھی معلوم نہ تھا۔ کہ گھر کی تمام جایداد برباد ہو چکی ہے۔ لیکن اب حالات قابو سے باہر ہو چکے تھے۔ اس کے پاس کوئی چارہ کار نہ تھا۔ نمی اور موہن کا مقابلہ وہ کر نہیں سکتی تھی۔ اس میں جان کا جوکھم تھا۔ وہ کافی غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچی کہ وہ اپنے زیورات لے کر میکے گھر چلی جاوے اور بقایا زندگی اپنے بھائی کے چھت کے نیچے گذار دیوے۔

وہ سوچنے لگی کہ مکان گروی ہونے کی صورت میں بھی اسے اس گھر سے بے دخل ہونا پڑیگا۔ - - - - - - - - اس خیال کے آتے ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ماضی کا نقشہ اس کی آنکھوں کے سامنے کھچ گیا۔ وہ اپنے آپ کو کوسنے لگی۔ اس نے کیوں نہ پہلے ہی نمی اور موہن پر قابو رکھا۔ پھر وہ ان کے رویہ کے خیال سے لرزہ براندام ہو جاتی۔ کبھی کبھی اس کی مامتا جوش مارتی۔ کئی قسم کے خیالات اس کے دل میں پیدا ہوئے۔

آخر کار وہ اس نتیجہ پر پہنچی کہ وہ نمی اور موہن کو آخری بار

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

راہ راست پر لانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ وہ اپنے زیورات موہن کے سپرد کر دیگی۔ اس سے التجا کریگی کہ وہ ان زیورات کو فروخت کر کے کوئی چھوٹا موٹا کام کر لے۔ عیبوں کو تلا نجلی دے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایک نیک و پاکباز محنتی انسان کی طرح زندگی بسر کرنے کی عادت ڈالے۔ مالتی کی حالت اُس مسافر کی سی تھی۔ جو صحرا میں پانی کی تلاش میں ناامید و مایوس ہو چکا ہو۔ اور اچانک دور سے آئینے پانی کی جھیل دکھائی دے ۔ ۔ ۔ ۔ اس اُمید کو لے کر وہ آگے بڑھی۔ سیف کے تالا کو کھولا۔ سیف خالی تھا۔ مالتی کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ زندگی کی آخری اُمید بھی پتہ نہیں کب کی مر چکی تھی۔ اس نے ایک لمبی سرد آہ بھری اس کی آنکھیں انگارے برسانے لگیں۔ اس کے ہاتھ کانپنے لگے۔ وہ چاہتی تھی کہ نمی اور موہن دونوں کو زہر دیکر ہلاک کر دے۔ خنجر سے دونوں کے سینے چاک کر دے ۔ ۔ ۔ ۔ کیا دنیا اسی لئے اولاد کے لئے روتی ہے؟ یہ محض دھوکا ہے۔ فریب ہے۔ وہ مائیں احمق ہیں جو ماں کہلانے پر خوش ہوتی ہیں۔ وہ باپ گمراہ ہیں جو پتا یا باپ کہلانے پر پھولے نہیں سماتے۔ تنگی و عسرت اور مصیبت میں کوئی کس کا ساتھ نہیں دیتا۔ وہ لوگ جو ماں اور باپ بننے کی حسرت دل میں لئے بیٹھے ہیں اور ایشور سے منتیں مانتے ہیں۔ کہ وہ اُن کی گود کو ہرا کرے۔ اُس کے پاس آئیں اور بچشم خود دیکھیں کہ اس کی اپنی اولاد کے ہاتھوں اس کا کیا حشر ہو رہا ہے۔

مالتی جذبات کی رو میں بہہ گئی۔ وہ غیر ارادی طور پر موہن

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کے کمرے کی طرف گئی۔ وہاں نہ تو موہن تھا اور نہ نمی تھی۔ وہ بددل ہو کر واپس لوٹی اور چارپائی کی پہنائیوں میں ڈوب گئی۔ اس کی آنکھیں نیند سے بالکل بے بہرہ دکھائی دے رہی تھیں۔

رات کافی گذر چکی تھی۔ اسے اچانک صحن میں پاؤں کی آہٹ سنائی دی۔ وہ باخبر ہوئی۔ آواز بہت سے انسانی پاؤں کی یکبارگی چلنے کی تھی۔ چند لمحات پیشتر وہ غصہ سے پاگل ہو رہی تھی۔ لیکن اسی بات پر وہ فکرمند و پریشان ہو گئی۔ اسے کسی ناگہانی مصیبت کا احساس ہونے لگا۔ وہ یکایک ڈرائینگ روم کی طرف بڑھی۔ وہاں دس بارہ کے قریب آدمی جمع تھے۔ نمی بھی ان میں تھی۔ موہن چارپائی پر چت پڑا تھا۔ اس کا جسم اور کپڑے خون سے لت پت تھے۔ مالتی نے اس کے چہرے کو سہلانے کی کوشش کی۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ چیخ مار کر پیچھے ہٹی۔ اس نے بغور ان اجنبی مردوں کی طرف دیکھا۔ جو موہن کی لاش اٹھا کر لائے تھے۔ وہ سب ساکت کھڑے تھے۔ چند منٹ بعد وہ سب کمرہ سے باہر چلے گئے۔

وقت دل کے زخموں کو مندمل کر دیتا ہے۔ مالتی موہن کے حسرت آمیز انجام کو بھول گئی۔ ادھر نمی کے رویہ میں بھی تبدیلی رونما ہو چکی تھی۔ وہ پہلی سی آزادی۔ بے باکی اور آوارہ گردی کو خیرباد کہہ کر گوشۂ تنہائی کو اپنا چکی تھی۔ اس کے اس رویہ کو دیکھ کر مالتی نے بھی تنفر آمیز رویہ کو ختم کر کے ایک بار پھر مادری الفت و پیار کے رشتہ کو زندہ کرنا شروع کر دیا۔ وہ نمی کو پند و نصائح دیتی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اس طرح دونوں مستقبل کو دلچسپ بنانے کی کوشش دکھائی دیتی تھیں رتی میں بے رخی کا عنصر غور کرتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ اس کے چہرہ پر زردی پژمردگی دن بدن بڑھ رہی تھی۔ اس کا جی متلاتا۔ بھوک کم ہوتی جا رہی تھی۔ لیکن وہ یہ سب باتیں ماں سے چھپانے کی کوشش کرتی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔

آخر یہ راز ایک دن افشا ہو کر رہ گیا۔ ماں نے رتی کو نزدیک سے دیکھنے کی سعی کی۔ وہ معاملہ کو بھانپ گئی۔

"بیٹی تیرا پیٹ کیوں بڑھ رہا ہے"

"ماں"

"ہاں میں سمجھ گئی"

"لیکن ماں اب ہوگا کیا"؟

"بیٹی یہ تو نے کیا کیا؟ مجھے آج تک اس بات سے بے خبر رکھا"

رتی سر جھکائے اندر کمرے میں چلی گئی۔ وہ سرہانے میں منہ چھپا کر سسک سسک کر رونے لگی۔ اس نے آج تک زندگی کے سنہرے خواب ہی دیکھے تھے۔ وہ ایک الہڑ دوشیزہ تھی۔ جو پھولوں کے دھوکا میں کانٹوں میں الجھ گئی۔ اسے دنیاوی الجھنوں کا تجربہ نہ تھا۔ اسنے دنیا کے انسانوں کو فرشتہ سیرت سمجھا تھا۔ لیکن اب دنیا کی ہر چیز اس کو دیکھنا پسند نہ کرتی تھی۔ امرت جس نے اس کی دنیا کو آباد کرنے کا حلف اٹھایا تھا۔ قصبہ چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ اب وہ اس وسیع دنیا میں تن تنہا تھی۔ اس کے چہرہ پر کرب کے آثار تھے۔ کہ دن بدن بھیانک صورت

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اختیار کر رہے تھے ۔ اس کی ذہنی حالت بالکل اس شخص جیسی تھی ۔ جو کہ حواس کھو چکا ہو ۔ آخر اس نے عزم کیا کہ کسی ڈاکٹر یا نرس کو راز دار بنا کر مخلصی حاصل کرے ۔

" نمی اب بچہ کافی نشو و نما حاصل کر چکا ہے ۔ اب اسقاط میں خطرہ جان ہے ۔ "

" واں پھر میں کیا کروں ؟ سماج میں میرے لئے کوئی جگہ نہیں ہے ۔ " نرس آئی ۔ اُس نے نمی کے پیٹ کا معاینہ کیا ۔

وائن نے نرس کی بڑی منت و سماجت کی ۔ آبگیں آنکھوں سے گڑگڑا کر کہا کہ وہ نمی کو موت سے بچائیے ۔ کیونکہ وہی اس کی زندگی کی آخری اُمید تھی ۔ جو کہ زندگی کے چوراہے پر موت نے نرغہ [illegible] ۔

نرس نے دوائی دی ۔ نمی کو بے پناہ خون آیا ۔ وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپی ۔ خون [illegible] بہہ رہا تھا ۔ کمرہ کے مدھم اندھیرے میں اس کا چہرہ ایک دھندلی سی پرچھائیں دکھائی دیتا تھا ۔ نرس نے وائن کو اشارہ سے سمجھایا ۔ کہ زندگی کی اُمید کم ہے ۔ کیونکہ بچہ پیٹ میں کافی نشو و نما حاصل کر چکا تھا ۔ بچہ مرا ہوا معلوم ہوتا ہے ۔

اس کا کلیجہ دھک سے رہ گیا ۔ نمی بے حس و حرکت پڑی تھی ۔ اس نے اس کو بلانے کی کوشش کی ۔ لیکن اُسے ہوش نہ تھا ۔ وہ ایک بار کراہی اور پھر غنودگی کے عالم میں چلی گئی ۔ نرس نے اپنا بیگ لیا اور چپ چاپ کمرہ سے باہر چلی گئی ۔

وائن نے بھرائی ہوئی آواز میں نمی کو پکارا ۔ لیکن جواب ندارد ۔ جواب کون دیتا ۔ نمی سماج کی چیرہ دستیوں کا مضحکہ اُڑاتی ہوئی عالم ارواح کی ساکن

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بن چکی تھی

عالمی نے سر پیٹ لیا۔ وہ غم کی خوشہ چینی میں مشغول تھی۔ اُسے وہ وقت یاد آرہا تھا۔ جب اُس نے اوائل عمر میں نمی اور موہن کو فیشن پرستی اور آزادی کی تحریک کا تھی۔ وہ ابھی اپنی خیالات میں کھوئی ہوئی تھی۔ کہ اُسے ایک نوجوان جوڑے کی قہقہہ کی آواز سنائی دی۔ یہ خوش شکل جوڑا سڑک پر خراماں جارہا تھا۔ عالمی نے ان کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھا۔ اُس کے منہ سے بے اختیار یہ الفاظ نکل گئے۔

" ہو خوش۔ اے نوجوانو۔ اس وقت تک جب تک کہ سماج تمہاری نام نہاد آزادی کے خون کو زندگی کے چوراہے پر بے دردی سے قربان نہ کردے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

۹

جنازہ

روزؤ نے زندگی کے باب کو اُلٹ پلٹ کر دیکھا۔ اس میں کچھ روشن ہیرے تھے۔ اور کچھ تاریک سطریں تھیں۔ بعض الفاظ خوشبوؤں سے بھرپور تھے۔ لیکن کچھ اشک آور تھے۔ اس میں کچھ حادثات ایسے بھی تھے۔ جن کو دل میں دوہرانے سے اس کا ماتھا شرم سے جھک جاتا تھا۔ اس نے مجسمہ حیرت بنے ان سب اوراق کو پھر بند کر کے رکھ دیا۔ وہ ایک بار پھر زندگی کی اس کتاب کو شرمندۂ تکمیل کرنے کی طرف رجوع ہوا۔

روزؤ کا والد ایک معمولی کسان تھا۔ دن بدن محنت شاقہ کرتا تھا لیکن نان شبینہ میسر ہوتی تھی۔ کنبہ کبھی کوئی بڑا نہ تھا۔ لیکن اقتصادی بد حالی سنبھلنے نہ دیتی تھی۔ اگر کسی سال فصل قحط سالی کی وجہ سے روبہ انحطاط ہوتی۔ تو کنبہ کی پریشانیاں بڑھ جاتی تھیں۔ کوآپریٹو بنک کی پناہ لینی پڑتی تھی۔ لیکن اس کا سود در سود کا جھمیلا ٹیڑھی کمر کو اور زیادہ بوجھ تلے دبا دیتا۔ اس کا نعم البدل کیا تھا؟ صبر و قناعت وہ تمام آفات سماوی کا ثابت قدمی سے مقابلہ کرتا۔ اخراجات کنبہ میں کمی کر دیتا۔ اہلِ کنبہ بھی اس کی اس بچت کی سکیم پر متفق ہو کر عمل پیرا ہو جاتے۔ افراد کنبہ میں سے کوئی بھی یہ نہیں چاہتا تھا۔ کہ خاندان کی اقتصادی بدحالی کسی بھی صورت

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

میں روزو کی تعلیم پر اثر انداز ہو۔

روزو نے میٹرک کا امتحان پاس کر لیا۔ اشتیاق حصول تعلیم ابھی اس کے دل میں زندہ تھا۔ لیکن اعلےٰ تعلیم کے وسایل محدود تھے۔ غریب باپ کی جھلسی ہوئی پیٹھ خط استوا پر چمکتے ہوئے آفتاب کی تمازت کی زندہ تصویر تھی۔ والدہ کے کمزور سے ہاتھ سخت مشقت کے گواہ تھے۔ لیکن یہ سب مجبوریاں روزو کے مستقبل کو تاریک کرنے میں قاصر تھیں۔ والدین نے عزم مصمم کر رکھا تھا کہ روزو کو ایک بڑا انسان دیکھینگے۔ وہ سب اس خواب کی تعبیر کو اصلیت میں بدلنے کی متمنی تھے۔

روزو کے کالج میں داخل ہونے پر سب نے خوشی کا اظہار کیا۔ وہ ایک سادہ اور ذہین نوجوان تھا۔ چند ہی دنوں میں اس نے اپنی ذہانت کا سکہ کالج کے سٹاف اور ہم جماعتوں پر بٹھا دیا۔ کالج کی ڈیبیٹ میٹنگوں میں وہ اپنی فصاحت و بلاغت سے سامعین کو مسحور کر دیتا تھا اس کی قدر و منزلت کا یہ عالم تھا کہ دیگر ہم جماعت رشک کرتے تھے۔ قابلیت ایک خداداد عطیہ ہے۔ جس سے ہر ایک انسان کو نوازا نہیں گیا ہے نہ ہی اس چیز کی خرید و فروخت سر عام ہوتی ہے۔ نہ ہی ہوگی۔۔۔۔

آخر وہ خوش نصیب دن بھی آیا جب روزو کالج کی پڑھائی سے فارغ ہو کر اپنے گاؤں میں پہنچا۔ والدین ضعیف العمر ہو چکے تھے۔ محنت شاقہ کی استطاعت باقی نہ رہی تھی۔ بصیرت روبہ کندی تھی۔ قوت سامعہ مضمحل ہو چکی تھی۔ پاؤں میں لغزش آچکی تھی۔ ہر طرف یاس و حسرت برستی تھی آمدنی میں کمی واقع ہو گئی تھی۔ کھیتوں میں ہل چلانے والا کوئی نہ تھا۔ وقت

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

پیدا نہیں ہوئی تھی۔ فرزند کی تدفین اچھی طرح نہ ہوئی تھی۔ ان کا اثاثہ رگوزو ہی تھا۔ اس کو عصائے پیری سمجھ کر اس سہارے پر بقیہ زندگی گزارنے کی آس لگائے بیٹھے تھے۔

رگوزو کے گھر پہنچنے پر بوڑھے والدین نے لاکھ لاکھ دعائیں دیں ان کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آئے۔ چہرے بشاشت سے چمک اٹھے۔

رگوزو نے یہ سب منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اس کو والدین کے پیار و محبت کے اتھاہ جذبہ کا احساس زندگی میں پہلی بار ہوا۔ وہ اپنے اندر محسوس کر رہا تھا کہ فرض اس کو پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہی وہ زمانہ ہے جس کیلئے والدین بچوں کی پرورش کرتے ہیں۔ پڑھاتے ہیں لکھاتے ہیں۔ پیٹ پر پتھر رکھ کر خود فاقہ کرتے ہیں۔ لیکن بچوں کو کبھی بھوکا پیاسا نہیں رکھتے ہیں۔ خود موٹا جھوٹا کھاتے ہیں۔ لیکن بچوں کو بہترین غذا دیتے ہیں۔ خود گاڑھے کے کپڑے پہن لیتے ہیں۔ لیکن بچوں کو بہترین کپڑے پہناتے ہیں۔ لیکن دوسری طرف ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

دوسری طرف ایک ساری قوم تھی جو فاقہ کش، جاہل، سادہ لوح، مظلوم اور صدیوں کی پچھڑی ہوئی تھی۔ جو بھی برسر اقتدار آیا۔ اس نے اس کی خون و پسینہ کی کمائی کا خط اٹھایا۔ اس کی ہڈی اور گوشت کے پتھر اور گارے سے سر بفلک اور عالیشان کوٹھیاں تعمیر کیں۔ اس نے خود ننگا رہنا پسند کیا۔ لیکن اپنے بھائیوں کو جو زیادہ مہذب و شائستہ کہلاتے ہیں۔ کو اعلیٰ ریشم روئی اور اون مہیا کرتا رہا۔ اس سلسلہ کو چلتے صدیاں ہو گئیں۔ یہاں تک کہ تاریخ بھی اس کی صحیح تاریخ نہیں بتا سکتی۔ موفراند کرنے کبھی یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہ کی کہ آخر کب تک یہ نوعیت جاری رہیگی۔ آخر دنیا کے اس کا مالک یہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

فرشتہ کب تک امن و امان کا ضامن رہے گا۔ آخر کب تک اس کو دھوکا میں رکھا جاویگا۔ ایک نہ ایک دن یہ اصلیت کو جان لیگا۔ اس وقت دنیا کے خرمن امن میں آگ لگ جاویگی۔ جس کو مہذب دنیا کے ٹھیکیدار حرف کرنے سے قاصر رہینگے

روزنہ دن رات محض سوچ و بچار میں رہتا تھا۔ ایک طرف تھا بوڑھی ماں کی طرف جس نے سردی کی سخت سرد راتوں کو روزنہ کے پیشاب میں گذارا تھا۔ اس کی ٹٹی و فضلہ کو اپنے ہاتھوں سے صاف کیا تھا۔ اپنی چھاتی سے دودھ دیکر اسے بڑا کیا تھا۔ لیکن دوسری طرف تھیں گاؤں کی نیم عریاں عصمت مآب دیویاں جو عالم سفلی سے بے خبر ایک بے لاگ، و بے لوث زندگی بسر کر رہی تھیں۔ ان کے پھٹے ہوئے چیتھڑوں کے اندر ان کی عصمت پوشیدہ تھی۔ لیکن ان کا جسم جگہ بہ جگہ برہنہ دکھائی دیتا تھا۔ یہ برہنگی ان کے مہذب بھائیوں کے حیوانی جذبات کے لئے ایک دلکش منظر پیش کرتی تھی۔ ان دیویوں کے ننگے پاؤں جھلس دینے والی ریت تیز نوکدار کانٹوں اور یخ بستہ کنکروں سے مانوس تھے۔ ان دیویوں کی زندگی میں کوئی دلکشی و جاذبیت نہ تھی۔ کیونکہ ان کی زندگی ایک بے آہنگ راگ تھا جس کی مضراب ان کے مہذب بھائیوں کے قبضہ میں تھی۔ یہ مسلی ہوئی کلیاں تھیں۔ جو زندگی بھر [illegible] رہی۔ کیونکہ ان کی خوشیوں اور آرام و آسائش پر ان کی زیادہ مہذب بہنوں نے قبضہ جما رکھا ہے۔

روزنہ نے دیکھا کہ ایک طرف تھی ساری قوم اور دوسری طرف تھے قوم کے ہی چند افراد یعنی اہل کنبہ۔ اگر تمام قوم کی قسمت سدھری تو خاندان کی بھی خود بخود سدھری۔ اگر قوم تباہ حال ہی رہی تو چند افراد کنبہ کے ابھرنے سے خود غرضی کو دخل ہوگا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

رفتہ رفتہ گاؤں کے لوگوں کو اس بات کا احساس ہونے لگا کہ روزو کس قدر قربانی کا جذبہ لے کر پیدا ہوا ہے۔ اس کی تقریریں پُر خلوص ہوتی تھیں اس کی اپنی زندگی نہایت سادہ تھی۔ گاڑھے کا لباس اور سادہ خوراک اس کا خاصا تھا۔ کسانوں اور مزدوروں کے اندر اس نے ایک نیا جذبہ خدمت قوم و ملک بھر دیا۔ کوآپریٹو کا سنگ بنیاد رکھی۔ اس طرح گاؤں کی زرعی پیداوار میں خاطر خواہ اضافہ ہونے لگا۔ لوگوں کی اقتصادی بدحالی فارغ البالی میں بدلنے لگی۔ گاؤں کے لوگ اپنے اندر زندگی کی نئی روح محسوس کرنے لگے۔ گاؤں کے لڑکے اور لڑکیاں صحیح تعلیمی تربیت حاصل کرنے لگے۔ ان کا فکر معاش کافی حد تک کم ہو گیا۔

ایک دن بوڑھی والدہ بیمار ہو گئی۔ نقاہت نے آگے ہی بیچاری کو نیم جان کر رکھا تھا۔ روزو نے تیمارداری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ لیکن فرشتہ اجل راضی نہ ہوا۔ اُس نے اس نیک روح کو قبض کر ہی لیا۔

تمام گاؤں جنازہ میں شامل ہوا۔ روزو کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ رفقاء نے سہارا دیا۔ آخر ہڈیوں کے اس ڈھیر کو شمشان میں جا کر نذر آتش کر دیا۔ آنِ واحد میں وہ بوسیدہ جسم راکھ کا ایک ڈھیر بن گیا۔ لوگ آہستہ آہستہ ایک ایک کر کے اپنے گھروں کو ہو لئے۔ چند دنوں تک اس روح کی یاد دلوں سے اُتر گئی۔ پھر بھولے سے بھی کسی نے اس کو یاد نہ کیا۔

روزو کا باپ آگے ہی گردش دوراں و غم دوراں کا ستایا ہوا تھا۔ رفیقۂ حیات کیساتھ چھوڑ جانے سے سخت دل برداشتہ ہوا۔ گھر میں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کوئی پرسانِ حال نہ تھا۔ ادھر روزو تھا کہ اُسے شب و روز ہی نوعِ انسان کی بہتری و بہبودی مقصود تھی۔ اسی امر کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے اس کے شادی کی تجویز بھی ٹھکرا دی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ ازدواجی زندگی کی ذمہ واریاں اُسے ملک و قوم کی سیوا سے محروم کر دینگی۔ کنبہ کی معمولی ذمہ واری بھی اُسے کئی بار شل کر دیتی تھی۔ اس زندگی سے کئی رومان وابستہ ہیں۔ اور انسان ان کے تار و پُن میں اُلجھ کر رہ جاتا ہے۔ والدہ کے رحلت کر جانے کے بعد روزو ماں کی اُلفت سے تو محروم ہو گیا۔ لیکن والدین اُسے چند دن کا مہمان دکھائی دینے لگا۔

اُستخوان کا یہ ڈھانچہ بارہا اُسے پیرانہ پند و نصائح دیتا۔ لیکن روزو کو ایک ہی دھن تھی۔ والد نے زور دیا کہ وہ زندگی کی ہی شاہراہ پر سے چلے۔ شادی کرے تا کہ وہ بھی مرگ سے پیشتر بہو کا سکھ دیکھ سکے۔ روزو خاموشی اختیار کر لیتا۔ بوڑھے والد کو لاچار ہونا پڑتا۔ اور وہ خاموشی اختیار کر لیتا۔

گھر میں صرف بوا تھی۔ جو گھر کا کام کاج کرتی تھی۔ بوڑھے بھائی کی بھی وہ کافی خدمت کرتی۔ لیکن وہ خود بھی بیچاری لاغر تھی۔ وہ بھی زندگی کی رنگین بہاریں یادِ ماضی بنا چکی تھی۔ اب منزلِ آخرت قریب تھی۔ وہ کسی بھی وقت پیغامِ اجل کی منتظر تھی۔

روزو کو ایسا معلوم ہو رہا تھا۔ کہ اس کی اپنی منزل کافی دور ہے۔ ابھی دیش و قوم کیلئے بہت کچھ کرنا باقی تھا۔ وہ ایک معیاری گاؤں کی تعمیر میں محو تھا۔ وہ ایک مثال قائم کرنے کے بعد دنیا کے لئے مشعلِ راہ مہیا کرنا چاہتا تھا۔ گاؤں کے لوگوں کا معیارِ زندگی ابھی اوسط درجہ تک بھی نہیں پہنچا تھا۔ اس نے گاؤں میں رشوت، جوا بازی اور منافع خوری کا کافی حد تک ختم کر دیا تھا۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

گاؤں کے لوگ ایک ہی دوکان سے سودا لیتے تھے۔ قیمتیں مقرر تھیں۔ ہر بالغ و نابالغ کے لئے یکساں اخراج تھے۔ یہاں تحفظ داری کو دخل حاصل نہ تھا۔ گاؤں کے اہلکار لوٹ کھسوٹ کا نام تک نہ لے سکتے تھے۔ لیکن گاؤں سے باہر وہی لوٹ کھسوٹ جاری تھی۔ کساد بازاری تھی۔ ظلم تھا۔ بے انصافی تھی۔ اس کے بعد روزو کو گاؤں سے باہر پڑھنا تھا۔ اس کے لئے وہ دن رات پریشان رہتا۔

جاڑے کے دن تھے۔ روزو ایک عوامی اجتماع میں شرکت کرنے کے بعد گھر واپس لوٹا۔ بوڑھا باپ رعشہ کے دورہ سے بے ہوش پڑا تھا۔ جسم کا نصف حصہ بالکل ناکارہ ہو چکا تھا۔ سردی غضب کی پڑ رہی تھی۔ باہر برف باری شروع ہو چکی تھی۔ گھر کے اندر بستر ناکافی تھا۔ ایندھن بھی نہ تھا۔ جھونپڑی کے اندر ہر ایک چیز یخ ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر کے لئے روپیہ موجود نہ تھا۔ گاؤں کے حکیم جواب دے چکے تھے۔ ان کی دوائیاں کارگر ثابت نہ ہو رہی تھیں۔ گھر کے اندر ایک ہی اثاثہ موجود تھا۔ وہ تھیں بوڑھی والدہ کی نقرئی چوڑیاں۔ یہ چوڑیاں مرحوم والدہ کی نشانی تھیں۔ یہی کچھ امداد اس وقت کر سکتی تھیں۔

روزو کی غیرت نے کسی کے آگے ہاتھ پسارنا پسند نہ کیا۔ چوڑیاں چپکے سے جیب میں رکھیں۔ وہ رات کی تاریکی میں برف و باراں کے اندر داخل ہو گیا۔ شہر گاؤں سے ۵۔۷ میل دور تھا۔ اس کے اپنے جسم پر گرم کپڑے نہ تھے۔ شدت کی سردی نے جسم کو نیم جان کر دیا۔

جوں توں کر کے روزو شہر کے مضافات میں پہنچا۔ ایک مہاتما کی کٹیا میں دھونی پر تھوڑا سا جسم کو گرم کیا۔ مہاتما نے بڑی ہمدردی کا اظہار کیا۔ اسنے متحیر ہو کر پوچھا۔ کہ ایسی ڈراونی و تاریک رات میں روزو کو کونسی مصیبت آن پڑی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تھی۔ جو وہ اس قدر خطرناک سفر کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ روزو نے ساری سرگذشت مہاتما کو سنا دی۔ مہاتما نے دعائے خیر دی۔ اور کہا کہ بیٹا دنیا کا کوئی اعتبار نہیں۔ یہ ایک پوشیدہ راز ہے۔ جس کو کھوجنے میں کئی نونہالان وطن زیر زمین چلے گئے۔ مگر یہ راز محض راز ہی بنا رہا۔

صبح صادق ہوئی۔ دنیا خواب خرگوش سے بیدار ہوئی۔ روزو ایک صراف کی دوکان پر پہنچا۔ چوڑیاں دکھائیں۔ بوڑھے صراف نے۔ پہلے تو روزو کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ اس کی سادہ پوشاک اور ہیئت کذائی سے کچھ شک گذرا۔ بعد میں مزید گفتگو پر اُسے یقین ہو گیا۔ کہ کوئی سفید پوش و شریف النفس انسان ہے۔ جو کسی مصیبت ناگہانی میں مبتلا ہو گیا ہے۔ صراف نے ذرا تامل کیا کچھ منہ میں زیرلب بڑبڑایا۔ چوڑیوں کا وزن کیا پھر ایک بہی پر کچھ لکھا۔ صراف نے چوڑیوں کی بیس روپیہ قیمت بتائی۔ روزو نے اصرار نہ کیا نہ ہی اس سے ایسا کرنے کی عادت تھی۔

بیس روپیہ لیکر جیب میں ڈالے۔ مرحوم والدہ کی آخری یادگار کو جوہری کی دوکان کی زینت بنا کر دوکان سے باہر نکل گیا۔ والدہ مرحومہ کی سنجیدہ شکل اس کی آنکھوں میں پھرنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں پھرنے لگی۔ اسے وہ وقت یاد آیا۔ جب اس کی مردہ نعش کو سپرد آتش کیا گیا تھا۔ اس منظر کو یاد کرتے ہی اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کا طوفان اُمڈ آیا لیکن صبر و تسکین کو ہاتھ میں لیتے ہوئے اس نے آنسوؤں کو پلکوں سے باہر گرنے نہ دیا۔

شہر میں ڈاکٹروں کی بہتات تھی پر سب کے سب فیس

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

وصول کرنے والے تھے ۔ حتیٰ کہ جنہوں نے مفت علاج کے بورڈ آویزاں کئے تھے ۔ وہ بھی کافی فیس وصول کرتے تھے ۔ ایسے کوئی بھی ایسا ڈاکٹر دکھائی نہ دیا ۔ جو انسانیت کے ناطہ تنگ دھڑنگ ۔ اپاہج اور مفلس انسانوں کے مفت علاج ومعالجہ کیلئے کچھ وقت وقف کرسکتا ۔ بلکہ ایسے اشخاص بکثرت تھے ۔ جو ہر لمحہ اپنے مظلوم بھائیوں کی بے کسی کا فائدہ اٹھانے کیلئے تیار تھے ۔

روزو نے ابھی تک زندگی میں دنیا کو اتنا قریب سے نہ دیکھا تھا ۔ اس نے دنیا کو خود غرض اور خود پرست پایا یہی شیوہ انسانی ہے ۔ انسان حد درجہ گراوٹ کی طرف جا رہا ہے ۔ اس کا ایمان ۔ اس کا مذہب ۔ اس کا اخلاق ۔ اس کا دین ۔ اس کا خدا ۔ اس کا شعور ۔ اس کا سب کچھ ۔ پیسہ ہی ہے ۔ اس کی صبح وشام پرستش ہوتی ہے ۔ غریبوں کی عصمت بکتی ہے ۔ تو امراء کا ایمان بکتا ہے ۔ جب پیسہ اس کا نظریہ ہوتا ہے ۔ تو اس کو معیوب نہیں سمجھا جاتا ۔ روزو کو صاف دکھائی دے رہا تھا ۔ کہ کل دوسرا جنازہ اس دنیا سے اٹھ رہا ہو گا ۔ دنیا نمائشی ہمدردی کیلئے آئیگی ۔ پھول برسینگے ۔ آنسوں بہیں گے ۔ افسوس ہو گا ۔ یہ سب کچھ دکھاوا ہو گا ۔

آہ ! مر گیا ۔

یہ ایک غریب فقیر کی آواز تھی ۔ جو پھوراہے میں سڑک کے ایک طرف جان توڑ رہا تھا ۔ اس کا کوئی ہمدرد یا پرسان حال نہ تھا ۔ دوسرے لمحہ وہ ایک مردہ بے جان مٹی کا ڈھیر تھا ۔ جس کا جنازہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

شاید میونسپلٹی کے بھنگی اس وقت اُٹھائینگے جب اس کی سڑاند ایوانوں کے اندر بسنے والے نرم طبیعت اہلیان کے دماغوں کو مکدر کرنے لگے گی۔

روزو کو پھر بیمار والد کا خیال آیا۔ وہ ڈاکٹر کی دوکان کی طرف بکا

"میرے پاس اتنی دور جانے کے لئے وقت نہیں ہے"

"جناب وقت نکالئے"

"آپ اس کی قیمت ادا نہیں کر سکتے"

کاش! اس وقت روزو بھی کروڑپتی ہوتا تو ایک کیا ہزاروں ڈاکٹر اس کی انگلی کے اشارہ پر ناچتے۔ وہ کئی صد ڈاکٹروں کی زندگیاں خرید لیتا ۔۔۔۔۔ مگر یہاں وہ بے بسی و لاچاری کے سوائے کچھ نہ تھا۔

روزو نے سوچا کہ شاید کوئی خدا ترس ڈاکٹر مل جاوے پھر جستجو شروع کی! ہائے ماں!

روزو پیچھے مڑا۔ یہ ایک بچے کی درد بھری آواز تھی۔ پاس ہی بدنصیب ماں کھڑی تھی۔ اس کا بچہ سڑک کے عین ایک طرف ایک کار کی زد میں آگیا تھا۔ ننھی سی جان نے دو تین بار ہاتھ اور پاؤں کو حرکت دی اور ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگئی۔ بچہ کے سر پر سے کار کا پہیہ گذرا تھا۔ دماغ کا مغز سڑک پر دور دور تک بکھر گیا تھا۔ سڑک پر خون کی ہولی کھیلی گئی۔ معلوم ہوتی تھی۔

کار میں بیٹھے ہوئے صاحب باہر آئے۔

"ماں! بچہ کا قصور ہے۔ آپ کو تمیز ہی نہیں کہ سڑک کے کس طرف چلنا چاہئے۔ تم لوگ خواہ مخواہ ہم لوگوں کو تنگ کرتے ہو۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ماں برابر رو رہی تھی۔ اس نے صاحب کے الفاظ نہ سنے۔ صاحب برابر بگڑ رہا تھا۔ اور بچہ اور ماں کو صلواتیں سنا رہا تھا۔

شری بادشاہ بھی نزدیک آ پہنچے۔ انہوں نے پہلے صاحب کو سلام کیا۔ پھر انہوں نے بھی عورت کو ہی کوسنا شروع کر دیا۔

انسانی ہمدردی کا جذبہ رکھنے والے سہم بکم کھڑے تھے۔ وہ کچھ کہنے کی جرأت نہ کر رہے تھے۔ آخر ان کی سنتا بھی کون۔

صاحب نے سو روپیہ کا نوٹ نکالا اور روتی ہوئی ماں کی گود میں رکھ دیا۔ یہ قیمت تھی آزاد ہندوستان کے اندر رہنے والے نونہال کے بے گناہ خون کی۔

روزو کا دل یہ منظر دیکھ کر بھر آیا۔ وہ اس قسم کے احساسات سے گاؤں کی پر امن فضا میں بے بہرہ تھا۔ وہاں انسانیت۔ اخلاق اور ہمدردی تھی۔ لیکن یہاں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ قانون ساز خود قانون شکن تھے۔ یہاں قانون بھی بکتا تھا۔

روزو ایک دوکان پر پہنچا۔ ڈاکٹر صاحب اندر موجود تھے۔ مریضوں کی بھیڑ تھی۔ کمپونڈر دھڑا دھڑ بوتلیں بھر کر مریضوں کو دے رہا تھا۔ یہاں دوائی کم اور ایکوا (AQUA) زیادہ چلتا تھا۔

”جناب گاؤں چلیں گے؟“

”کتنی دور؟“

”شہر سے پانچ میل باہر“

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

"عنیس"

"فرمائیے"!

"پچاس روپیہ"!

"حضور"!

"ہاں"!

روزو نے زندگی میں عجز و انکساری سے کبھی کام نہ لیا تھا۔ اس نے بنی نوع انسان سے ہمدردی سیکھی تھی۔ اُسے کبھی دنیا کی ہمدردی کو جانچنے کا وقت نہ آیا تھا۔ اُس کو یقین ہوگیا کہ دنیا سے ہمدردی کی اُمید رکھنا عبث ہے۔ وہ ناکام و نامراد واپس لوٹا۔

وہ مکان پر پہنچا۔ دروازہ بند تھا۔ اندر خاموشی تھی۔ دروازہ کو دھکا دیا۔ بوڑھی بوا ابا کی چارپائی کے پاس ہی کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی چٹائی پر سو رہی تھی۔ روزو والد کی چارپائی کی طرف بڑھا۔ کان لگا کر سننے لگا۔ بوڑھے باپ کا سانس نہیں چل رہا تھا۔ بازو کی طرف ہاتھ بڑھایا وہ بالکل سرد تھا۔ پیشانی پر ہاتھ رکھا۔ وہ بالکل یخ تھی۔ روزو کی چیخ نکل گئی۔ بوڑھی بوا کی نیند کھل گئی۔ وہ اُٹھ بیٹھی۔ حال سے واقف ہوئی۔ رونے کی کوشش کی۔ لیکن آنسو گردش افلاک نے پہلے ہی خشک کر دیئے تھے۔

رات گذری۔ صبح ہوئی۔ آفتاب نے مشرقی اُفق سے نگاہ ڈالی۔ گاؤں کے لوگ جوق در جوق جمع ہونے لگے۔ بوڑھے روزو کی نعش کو قبرستان لے جایا گیا۔ جنازہ میں کئی افراد شامل ہوئے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

روزو سے زبانی ہمدردی کی گئی۔
شمشان کو جاتے ہوئے لوگ مختلف رائے کا اظہار کر رہے تھے کوئی کہتا تھا کہ بے علاج مرگیا۔ کوئی کہتا تھا کہ روزو نے سب کچھ ملک و قوم کی خاطر قربان کر دیا۔ کوئی کہتا تھا کہ روزو پاگل ہے۔ ایسی دیش سیوا بھی کوئی دیش سیوا ہے کہ والدین اس قدر بے بسی کی حالت میں مریں۔ آیندہ اس کو اس طریقہ کار سے کیا دستیاب ہوگا۔ کوئی ہنستا تھا تو کوئی افسوس کرتا تھا۔ ہر ایک کا اپنا اپنا نظریہ تھا۔۔۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اُمیدوں کا خُون

انوپ کمار کے والد ایک حلیم اور خوش طبع انسان تھے۔ دیانتداری اس خاندان کی خاندانی روایت تھی۔ اُن کے آباؤ اجداد مغل سلطنت کے وقت سے اعلےٰ عہدوں پر متمکن چلے آرہے تھے۔ جو بھی عہدہ اُن کے سپرد ہوا۔ اس کے فرائض کو نہایت خوش اسلوبی اور دیانتداری سے سرانجام دیا۔ کبھی کسی حکومت یا عوام کو شکایت کا موقعہ نہ دیا۔ اب وہ ملازمت سے سبکدوش ہو چکے تھے۔ انوپ ہی اب دن کی اُمیدوں کا مرجع تھا وہ اس کو اوایل زندگی کی منازل کو سرعت کے ساتھ طے کرتے دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ اسے جلد تر عملی زندگی میں داخل ہوتے دیکھنے کے خواہش مند تھے۔ وہ دل ہی دل میں کچھ موازنہ کرنا چاہتے۔ لیکن دوسرے ہی لمحہ اپنی مساعی جمیلہ کو ناکام ہوتا محسوس کرتے۔ یہ محض قیاسی خدشات تھے۔ جو پیری کا خاصہ ہیں۔ پھر نامساعد حالات حاضرہ کی طرف انکی توجہ مرتکنچ جاتی۔ وہ پھر ایک گہری سوچ میں مستغرق ہو جاتے۔

سال و ماہ گذرتے دیر نہیں لگتی۔ یہ انسانی زندگی کو محجوب کرنے کے بعد اس کو ناپید کرتے ہیں۔ انوپ کمار کو ناز و نیاز سے پالا جارہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ جلد پروان چڑھا۔ وہ عجیب اطبیع

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہونے کے علاوہ خوش اطوار بھی تھا۔ وہ دلاسہ مزاج تھا۔ کالج کے اساتذہ اُسے نگاہ توقیر سے دیکھتے تھے۔

ایف۔ ایس۔ سی کے بعد انوپ کمار نے انجینئر بننے کی خواہش ظاہر کی۔ اس کے والد نے کئی ایم۔ ایل۔ اے صاحبان کی دہلیز دیکھی۔ منسٹر صاحبان کے آگے سربسجود ہوا۔ انوپ کی ذہنیت اور اعلےٰ نمبروں کا واسطہ دیا۔ لیکن متعلقین نے مُبہم سا جواب دیا۔ وہ کئی دن فرمانروائے وقت کی چکنی چپڑی باتوں میں اُلجھ کر لوح مشق دیتے رہے۔ کئی بار وہ اپنی بے کسی و بے بسی پر آب ندامت میں ڈوب جاتے۔ دل میں ایک طوفان موجزن ہوتا۔ برے دنوں کی یاد تازہ ہو اُٹھتی۔ عوامی راج کے تئیں بددلی کا جذبہ جنم لیتا۔ وہ سوچتے کہ شخصی راج میں ایک خاندان یا اس کے چند لواحقین تھے۔ جو رعایا کی محنت شاقہ پر پلتے تھے۔ لیکن آج ایسے کئی ہزار خاندان پیدا ہو گئے تھے۔ جو شاہان سلف سے بھی شہنشاہ تھے۔ جن کے افراد کنبہ۔ رشتہ دار۔ عزیز و اقارب اور دوست و احباب ملک کی آبادی کا ایک جزو عظیم ہے۔ حالانکہ ما سلف کے امرا و وزرا آبادی وطن کا عشر عشیر تھے۔ ٹیکس کم تھے۔ لوگ آسودہ حال تھے۔ اُس وقت ٹیکسوں۔ سفارشوں رشوت و نا اہلیت کا دور دورہ تھا۔ آزادی ایک ڈھونگ تھا۔ ورنہ آزادی کی دیوی مفلوج و مفلوک الحال تھی۔ اس وقت کے حالات غلامی سے بھی بدتر تھے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ سوچتے غیر ملکی غلامی سے موت بہتر۔ اور ملکی جمہوریت سے ڈکٹیٹر شپ اچھی۔ جس ملک و قوم میں انصاف بکنے لگے۔ حکومت وابستہ گان کے رحم پر ہو وہاں عوام کے لئے سکون عنقا ہو جاتا ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

امید۔ امید ہی بنی رہی ۔ اُس کا عملی پہلو معرض وجُود میں آنے لے رہا۔ ہردے ناتھ نے بیٹے کے بہترے خواب کو شرمندہ تکمیل کرنے کی خاطر قدامت و دیعت ہوئی غیرت بھی بھینٹ کردی اس قدر ردّو قدح بھی حصولِ مقصد میں معاون و مددگار ثابت نہ ہو سکا۔ وہ انتہائی درجہ کبیدہ خاطر ہوئے۔ ہراس دور میں بجیبوں کو کون پوچھتا تھا ۔ غیور و معزز انسان گوشہ تنہائی کے متلاشی تھے۔ خلوت نشینی اُن کا آخری حربہ تھا ۔ ہردے ناتھ نے بھی اسی کو اپنانا بہتر جانا تھا ۔ مگر بجائی ہوئی خاندانی شان کو بچانے کے لئے ایک ہی چارہ کار تھا ۔ الوپ کمار کا انجنیر بن جانا ۔ ان کے لئے ایک روشنی کا مینار تھا ۔ جس کی روشنی میں آئندہ آنے والے نونہالان کنبہ رفاہیت کو پا سکتے تھے ۔

ایک صبح اچانک ہردے ناتھ پر فالج کا حملہ ہوگیا۔ ڈاکٹر اور حکیم لائے گئے ۔ انہوں نے مختلف نسخہ جات تجویز کئے۔ کئی ادویات آزمائی گئیں۔ لیکن زندگی کے دن پورے ہوجائیں ۔ تو تمام تدبیریں بے سود ثابت ہوتی ہیں ۔ ہردے ناتھ کی بیماری خاندان کی عظیم پریشانی کا موجب بن گئی ۔ تمام مرد و زن اطفال و بچگان رنجیدہ خاطر ہوئے ۔ دل ہی دل میں درگاہ الٰہی میں دعا گو تھے ۔ کہ وہ ان کی زندگی کو بخش دیوے ۔ مگر یہ محض ایک سعئی محض ہے۔ یہ انسان کی ضعیف الاعتقادی کا ایک نمونہ ہے ۔ جان بخشی کے قصّے محض افسانے ہیں ۔ جن کی تائید عملی نقطہ نظر سے بہت کم بلکہ بالکل نفی کے برابر ہے ۔ یہ بست و کشاد اُسی غیبی طاقت کے ہاتھ میں ہے ۔ جس پر انسان کو عبور حاصل نہیں ہے۔ چند ماہ کی لگاتار علالت کے بعد ہردے ناتھ کنبہ کو داغ مفارقت دیکر چل بسے ۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہردے ناتھ کی بیماری ۔ تیمار داری ۔ تجہیز و تکفین اور دیگر رسومات مرگ نے خاندان کو کافی اقتصادی بدحالی کا شکار کر کے چھوڑا ۔

الوپ کمار کے سر پہ غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ۔ طرّہ یہ کہ اس کے ساتھ ساتھ ذمہ داریوں نے آلیا ۔ اس نوعمر نوجوان کے لئے تمام خاندانی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا ایک عقدہ تھا ۔ جس کا خوش اسلوبی سے حل کیا جانا اس کے لئے ۔ بعید از قیاس اور ناممکن تھا ۔ والد کی زندگی میں اسے صرف تحقیق علم سے واسطہ تھا ۔ اب تمام خاندان کی نظریں الوپ کمار کی طرف لگ گئیں ۔ وہی اس ناؤ کا ناخدا تھا ۔ بوڑھی والدہ کی کمسن بھائیوں ۔ کنواری بہنوں اور دیگر خویش واقارب کا مرجع امید وہی تھا ۔ اس کے بعد ہر کام اس کے اشارہ پر چلنے لگا ۔ اس کا سارا دن انتہائی مشغولیت میں گذرنے لگا ۔ وہ شب و روز متفکر رہنے لگا ۔ کمسن کندھے اس بار گراں کو برداشت کرنے کے لئے کافی مضبوط نہ تھے ۔

ہر روز تھا بھی کون ؟ ..... جو اس کا اس آڑے وقت میں ہاتھ بٹاتا ۔ دنیا زبانی جمع و خرچ کرنا جانتی ہے ۔ کسی کی مجبوری کا فائدہ اٹھانا اس کا پرانا اسلوب ہے ۔ زبانی نمائشی ہمدردی کی کمی نہیں ہے ۔ لیکن پر خلوص اور ہمدرد انسان دنیا میں بہت کم ملتے ہیں ۔

الوپ کمار کو اپنے مستقبل کا فکر دامن گیر تھا ۔ وہ کئی بار اپنی زندگی کے سنہرے خواب کو مستقبل کے دھندلکے میں چمکتا دیکھتا ...... یہ محض خواب تھا .... جو ...... درپیش مسائل کے انجھاد میں مدفون معلوم ہوتا تھا ۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ایسے سخت وقت میں ایوب کمار کا اگر کوئی غمگسار تھا ۔ وہ بوڑھی والدہ اور نوجوان بہن مینا تھی ۔ مینا دسویں جماعت کا امتحان پاس کر چکی تھی ۔ وہ آگے پڑھنا چاہتی تھی ۔ لیکن والد کی بے وقت موت نے اسے پڑھائی کو ختم کرنے پر مجبور کر دیا ۔ یوں بھی تعلیم نسواں اس خاندان کی روایات کے برعکس تھی ۔ دور حاضرہ کی بے حیائی اور بے باکی نوجوان مستورات کے اندر ناگوار گزرتی تھی ۔

مینا اکثر ایوب کمار کے ساتھ مستورات و ماڈرن لڑکیوں کی فیشن پرستی پر بحث و تمحیص میں بغیر معمولی اشتیاق کا اظہار کرتی تھی ۔ وہ کہتی کہ حجاب و حیا بہترین نسوانی زیور ہے ۔ بھارتیہ اتہاس استری جاتی کے سنہری کارناموں و بے لوث قربانیوں کا مرقع ہے ۔ ماضی پر ایک طائرانہ نظر ان اہم ابواب کو وا کر کے رکھ دیتی ہے ۔ اس میں رضیہ ۔ نورجہان ۔ دمینتی ۔ ساوتری و پدمنی جیسی مایہ ناز ہستیوں کے اعلےٰ کارنامے ہیں ۔ جو فیشن پرستی کے آگے نہ جھکیں ۔ بلکہ ایک اصول کے لئے زندہ رہیں ۔ اس کی راہ میں مریں ۔ اسکے بعد میں دور حاضرہ کی شان مہارانی لکشمی ۔ کستورہ بائی ۔ اور سروجنی نیڈو جن کو دیش جتنا فخر بخشے کم ہے ۔ ان کے تئیں عقیدت ہر انسان کا فرض ہے .... پھر ہیں ۔ ماڈرن دور کی کج رفتار بیویاں اور دوشیزائیں جن کا کردار خمدار زلفوں کے بناؤ سنگار و فیشن کی جدت طرازی و کاجل کی دم دار سیاہی تک محدود ہے ۔ ماڈرن بیوی کی ہنی بھگتی کی عکاسی ہوٹلوں ۔ ہوٹلوں و ناچ گھروں کی محرابوں کے اندر بخوبی ظاہر ہوتی ہے ۔ ماڈرن ممی کا پیار پوڈر دودھ کی سفیدی ۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کے نیچے دب کر رہ گیا ہے ۔ ماڈرن دوشیزاؤں کی عصمت سرخی و پاؤڈر کی تہوں کے نیچے جاگزین ہے ۔ ان کی پاکبازی کی ضامن ہسپتالوں کی نرسیں ۔ برتھ کنٹرول کے ذرائع اور میونسپلٹوں کے مہتر ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مینیا کا چہرہ اس تنقید نگاری کے وقت تمتما اٹھتا ۔ اور وہ سچ مچ قربانی کا مجسمہ دکھائی دیتی ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا ۔ کہ وہ میدان عمل ہی کود کر اپنی بھولی بھٹکی بہنوں اور ماتاؤں کو راہ راست پر لانا چاہتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن ایسے ذرائع مفقود تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آج خاندان کے چراغ کو جلتا رکھنے کے لئے قربانی کے تیل کی ضرورت تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ورنہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ورنہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ چراغ جلنے سے قاصر دکھائی دے رہا تھا ۔

مینا نے انوپ کمار کو اس امر کا یقین دلایا ۔ کہ وہ دستی کام کرکے اس کی پڑھائی کے اخراجات میں مالی امداد دیگی ۔ وہ خود بھی ٹیوشن رکھ کر یا کالج کے اوقات کے بعد کسی دوکان یا فرم میں کام کرکے پڑھائی کے مصارف کو پورا کرنے کی کوشش کرے ۔ رہا خاندان کا خرچ وہ اراضیات کی قلیل آمدنی سے ہی پورا کرلیا جاویگا ۔ کسی فوری ضرورت کے پیش نظر زیورات کی فروختگی سے کام لیا جایا کرے گا ۔ زیورات بھی اس قدر نہ تھے ۔ جو فالتو با فراط ہوں ۔ وہ تھے بوڑھی والدہ کے سہاگ کی یادگار ۔ ان کی مالیت مجموعی طور پر چند سو روپیہ سے زیادہ نہ تھی ۔

انوپ کمار نے مینا کی التجا پر اعتبار کرتے ہوئے آبائی گاؤں کو خیرباد کہی ۔ اس نے انجینرنگ کالج میں داخلہ حاصل کرنے کیلئے دہلی کا رخ کیا ۔ اسے دہلی میں پہنچ کر اس بات کا احساس ہوا کہ دیہاتی زندگی اور شہری زندگی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

میں کس قدر تفاوت ہے ۔ دیہاتی زندگی آج بھی وہی ہے ۔ جو شائد سالہا سال قبل تھی ۔ کئی حکومتیں برسر اقتدار آئیں اور زوال پذیر ہوئیں ۔ لیکن دہقان کی دنیا ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی سادہ پوشیش وسادہ خوراک کے اندر مقید رہی فصلوں کی افراط وتفریط ہی اس کی زندگی کا اہم پہلو ہے ۔ اس کی زندگی ایک کھلا باب ہے ۔ جس میں ریا کاری ۔ بد دیانتی ۔ سود خوری ۔ خود غرضی اور بیگانگی کو چنداں دخل حاصل نہیں ہے ۔ سادگی اس کا پیرہن ہے ۔ مہمان نوازی اس کا شیوہ ہے ۔

.... لیکن شہر .... خود غرضی .... منافرت .... منافع بازی ...... دروغ گوئی اور دیگر اقسام کا مرکز ہے

انوپ کمار نے دہلی سڑکوں پر کیا دیکھا ؟ کاروں میں گھومتے ہوئے مکھ بتی ... ناوک انداز مہہ جبین .... حسن کی عریانی .... مسکین کمسن اور ناتوان گداگر ۔ جن کا بستر سیمنٹ کی پٹڑی اور سرہانہ سڑک کے کنارے کے پتھر اور اینٹیں تھیں .... ان لوگوں کو دیکھ کر گمان ہوتا تھا ۔ کہ یہ لوگ اس دیش کے ساکن نہیں ہیں ۔

پہلے روز تو انجینئرنگ کالج کے پرنسپل سے انوپ کمار کی ملاقات نہ ہو سکی ۔ لیکن دوسرے روز ملاقات ہو گئی ۔ پرنسپل ایک بزرگ انسان تھا ۔ مدراس ان کا وطن تھا ۔ وہ انوپ کمار سے بڑے تپاک سے پیش آئے ۔ اس کی سندات کا ملاحظہ کیا ۔ خاندانی واقفیت حاصل کرنے کے بعد متحیر نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا کہ اُسے اس کے صوبہ نے کیوں منتخب نہ کیا ؟ انوپ کمار نے تمام روداد کہہ ڈالی پرنسپل کے چہرہ پہ پر اسرار مسکراہٹ ہویدا ہوئی ۔ ....

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

پرنسپل کی نظرِ عاطفت کے طفیل الوپ کمار کو داخلہ مل گیا۔ اُس نے مینا کو اس بات کی اطلاع دیدی۔ جب مینا کو بھائی کا خط ملا۔ تو اس کی آنکھوں سے خوشی کے آنسوں بہہ نکلے اُس نے ایک آہ بھری اور بولی کاش اس کے پتا زندہ ہوتے۔ اور اس خوشی میں شامل حال ہوتے۔

مینا آزار بند بنتی۔ اُون کی سویٹریں تیار کرتی۔ سبزی کاشت کرتی بچوں کی دیکھ ریکھ کرتی۔ رات کے وقت سونے سے پہلے تمام بچوں کو سبق حفظ کرواتی۔ گھر کے سینکڑوں چھوٹے موٹے کام انجام دیتی۔ اس کی زندگی چیونٹی سے بھی زیادہ مشغول تھی۔ لیکن وہ جبینوں پر کبھی میل نہ لاتی تھی۔ وہ زندگی کی جدوجہد میں ایک لطف محسوس کر رہی تھی۔ اس کا منتہاء مقصد الوپ کمار کا انجینیر بننا تھا۔ یہ امر مُسلم تھا۔ کہ دستکاری اس کے لئے بہت کم آمدنی کی حامل تھی۔ دیہاتی سادہ لوح عوام اقتصادی طور پر اس قدر مضبوط نہ تھے۔ وہ مینا کی کاریگری کا پورا پور معاوضہ دے سکتے تھے۔ وہ تو صرف اپنی جیب کی استطاعت کو دیکھتے تھے۔ اس لئے وہ ان لوگوں سے کیا استعانت حاصل کر سکتی تھی۔ وہ لوگ خود حاجت مند غریب تھے۔ بہرحال مینا بڑی کفایت شعاری سے کنبہ کے اخراجات کو چلا رہی تھی۔

ادھر الوپ کمار کو اپنی ضروریاتِ زندگی۔ اخراجاتِ تعلیم اور پوشش و خوراک کے لئے سخت محنت کرنی پڑتی تھی۔ وہ کالج سے چھٹی ہونے پر ایک پرائیویٹ فرم میں کام کرتا تھا۔ اس فرم کا مالک بڑا سخت آدمی تھا۔ کام میں معمولی تساہل کو بھی برداشت نہ کرتا تھا۔ الوپ کو روزانہ چھ گھنٹہ کام کرنا پڑتا تھا۔ پھر کہیں ساٹھ روپیہ ماہانہ نصیب ہوتا تھا۔ اگر کوئی قدر دان ہوتا تو اس قدر کام کرنے پر کئی گنا زیادہ اجرت ادا کرتا۔ لیکن مالک اس قدر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

رقم کے عوض انوپ کے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ لینا چاہتا تھا۔ اس کا لاکھوں روپیہ کا کاروبار تھا۔ لیکن وہ حد درجہ حریص تھا۔ دنیا کی دولت کو کھینچ کر لانا چاہتا تھا۔ کسی اپاہج۔ مسکین وبے کس کو اس دروازہ سے ایک پیسہ بھی ملنے کی امید نہ ہوتی تھی۔ عملہ اس کے غیظ و غضب کی وجہ سے عموماً خائف رہتا تھا۔ کسی کو بات کرنے کی مجال نہ تھی۔ گو یہ عملہ کی عرق ریزی ہی کا نتیجہ تھا۔ کہ وہ لاکھوں میں کھیل رہا تھا۔ لیکن باوجود ایں ہمہ عملہ محض چند روپوں کا حصہ دار تھا۔ جو ان کو ان کی محنت شاقہ کے عوض ماہانہ کی شکل میں دستیاب ہوتے تھے۔

کالج میں حاضری دینا۔ بعد میں فرم میں کام کرنا۔ ان ہر دو فرائض کی انجام دہی کے بعد رات کے ۹ نو بجے کے قریب انوپ اپنے رہائشی کمرہ میں پہنچتا۔ یہ کمرہ شہر کے مضافات میں تھا۔ اس کمرہ کا ایک کونہ باورچی خانہ کا کام دیتا تھا۔ دوسری طرف چارپائی لگی تھی۔ انوپ اپنا کھانا خود تیار کرتا۔ بعض اوقات باسی کھانا ہی کھانا پڑتا تھا۔ دو وقت کھانا پکانے کے لئے اس کے پاس وقت ہی کہاں تھا۔ اکثر وہ تھک جاتا تھا۔ جسم بھاری بھاری محسوس ہوتا۔ ادھر پڑھائی کے لئے وقت نکالنا بہر صورت ضروری تھا۔ کفایت شعاری کے پیش نظر وہ اپنے کپڑے خود صاف کرتا۔ بیشمار چھوٹے موٹے کام تھے جو اسے خود کرنے پڑتے تھے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس ساری کوفت و سخت محنت کے عقب میں ایک ہی جذبہ کارفرما تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ تھی انجینئر بننے کی امید۔۔

سال اول انوپ نے اچھے نمبروں میں پاس کر لیا۔ مینا نے اس خوشی کے موقعہ پہ کافی لوگوں کو مدعو کیا اور حتی المقدور خاطر داری کی۔ مینا کو محسوس

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہتر رہا تھا کہ انوپ اپنا کورس مکمل کر کے مسکراتا ہوا ممی میں نمودار ہوا ہے۔ اس احساس سے اس کی انکھوں میں خوشی کے آنسو اُمنڈ آئے۔ دوسرے ہی لمحہ اس کو خیال آیا کہ وہ کتنی بھولی ہے۔ اور دن رات شیخ چلی کیطرح خیالی دنیا میں غلطاں رہتی ہے۔

سال دوئم میں انوپ کو پڑھائی کیطرف زیادہ توجہ دینے کی ضرورت تھی پہلے سال کا کورس اتنا مشکل نہ تھا۔ اُدھر فرم کے مالک نے کام کا ایک نیا شعبہ کھول دیا تھا۔ اس کی وجہ سے وہاں بھی کام بڑھ گیا تھا۔ گو انوپ کا ماہانہ بجائے ساٹھ کے ستر روپیہ کر دیا گیا تھا۔ وہ دیکھتا کہ دیش کے اندر کرپشن کا پھیلاؤ کس قدر بڑھ گیا تھا۔ کل جو نمان شبینہ کے محتاج تھے لاکھوں میں کھیل رہے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو زندگی کی جدوجہد میں اقتصادی بحران میں اُلجھ کر رہ گئے تھے۔ یہ طبقہ محض نکتہ چینی کر کے ایک چائے کے پیالہ کی سیاست میں برسر اقتدار پارٹی کے افراد کے بخئے اُدھیڑنے میں حظ محسوس کرتا تھا۔ یہ لوگ بس سٹینڈوں۔ سستے چائے خانوں۔ ریلوے پلیٹ فارموں۔ ادنٰے ملازمین کی میزوں اور چھوٹی دوکانوں پر عام دکھائی دیتے تھے۔ ان کے چہرے تفکرات عالم کی آماجگاہ تھے۔ یہ لوگ خوشنما عمارات۔ وسیع باغات۔ زیورات کی جھلک۔ زرق برق لباس کی دمک۔ نئی کاروں و دیگر سرمایہ دارانہ نمائشوں کو دیکھ کر دل مسوس کر رہ جاتے تھے۔ لیکن سرمایہ داری کی دیوار اس قدر مستحکم دکھائی دیتی تھی۔ کہ ان لوگوں کے آتش فشاں جذبات ان دیواروں سے ٹکرا کر واپس جھونپڑیوں کی آہ و پکار دلآزار حسرتوں میں حلول پذیر ہو جاتے تھے ان کے مونس و ہمدم۔ مجبوری۔ لاچاری و بے بسی تھی۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

انوپ روز سرمایہ داری کے اس نظام کو دیکھتا تھا۔ جہاں پیسہ ہی سب کچھ تھا۔ وہ تہیہ کئے ہوئے تھا کہ قسمت یاوری کرے تو وہ اس دولت سے بے نیاز ایک پاک و شستہ زندگی بسر کرنے میں کامیاب ہوگا۔ روزمرہ کی کمر توڑ محنت سے وہ دل برداشتہ تھا۔ لیکن آباد و خوشحال مستقبل کی اُمید اُسے تازیانہ کا کام دیتی تھی۔

سال دوئم کے سالانہ امتحان سر پر آگئے۔ امتحان کے لئے زیادہ محنت و وقت درکار تھا۔ فرم کے مالک کا رویہ اُسے خایف کر رہا تھا۔ مالک کو کام چاہئے تھا۔ اُسے اس بات کی قطعاً پرواہ نہ تھی۔ کہ انوپ کی آیندہ زندگی کو سنوارنے کے لئے اُسے تھوڑی سی انسانی ہمدردی کی ضرورت ہے۔ اُسے اس بات سے کوئی تعلق نہ تھا۔ کہ انوپ کو فرم میں کام کرنے کے علاوہ کس قدر محنت کرنی پڑتی ہے۔ ایک روز انوپ نے اپنی مجبوری کا اظہار کیا تو مالک بگڑ کر بولا کہ وہ اس کو فارغ کر دیگا۔ اور دوسرے شخص کو نوکر رکھ لیگا۔ اس نے بڑے تیکھے کے ساتھ کہا کہ کئی تعلیم یافتہ نوجوان پٹریوں پر سرگرداں ٹکڑے ٹکڑے کو محتاج مل جاتے ہیں۔

مالک کا یہ کہنا بالکل درست تھا۔ انوپ بھی سمجھتا تھا کہ مالک کے ایسا کہنے میں کوئی مبالغہ نہیں ہے۔ بھارت ورش ایک وسیع ملک ہے۔ اس کی آبادی بھی کم نہیں ہے۔ طرہ یہ کہ آبادی کا تناسب روزافزوں ہے۔ اس ملک میں زندگی مہنگی اور موت سستی ہے۔ بھارت کے غیر ملکی حکمران بھی تو جانتے تھے کہ ہندوستانی نوجوان کی زندگی کی کیا قیمت ہے؟ کیا بھارتی نوجوانوں نے چند چاندی کے سکوں کے لئے سمندر پار جاکر اپنی بے انتہا قربانیوں سے اپنی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

غلامی کی سلاسل کو مضبوط نہیں کیا۔؟ کیا اس نے اپنے بہن اور بھائیوں کے خلاف اس لئے گولی نہ برسائی کہ وہ اپنے ملکی یا غیر ملکی حکمرانوں کی نمک حلالی کا ثبوت دے سکے؟ کیا اس نے اپنی دیس کی ماتاؤں اور بہنوں کے سیندھور اس لئے نہ مٹائے کہ اس کی اپنی ماں و بہن کی مانگ کا سیندور زیادہ چمکدار اور دیرپا ثابت ہو؟ کیا اس نے غیر ملکی حکمرانوں کو اپنی حسد کی آگ کو مٹانے کی خاطر دیش پر حملہ کرنے کے لئے دعوت نامے نہ بھیجے؟ کیا اس نے اپنے عبادت خانوں کو تاخت و تاراج کرنے میں اس لئے مدد نہ دی کہ غیر ملکی حکمران ان کھنڈروں پر معبد تیار کر سکیں ۔۔۔۔۔۔ انوپ کا جسم ان واقعات کے تخیل سے تھر تھرا اٹھتا ۔ اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا جاتا ۔۔۔۔۔ اس کا دل ایک متلاطم سمندر بن جاتا۔ لیکن دوسرے ہی لمحہ وہ اپنی گمنام شخصیت کی کمتری کو محسوس کرتا۔ اور اس کا تصور شام کے کھانا کی تیاری میں معدوم ہو جاتا۔

امتحان کی تیاری کے لئے انوپ نے نیم خوابی کو اپنایا۔ دن بدن اس کی صحت گرنے لگی۔ اُسے اس بات کا احساس ہوا تھا۔ لیکن سبیل کوئی نظر نہ آتی تھی۔ اگر تعلیم کو چھوڑ دیتا تو تمام محنت اکارتھ جاتی۔ اگر فرم میں کام کرنا چھوڑ دیتا تو اخراجات کہاں سے پورے ہوتے۔ ہر چہار اطراف مجبوری و بے بسی تھی آخر وہ بیمار ہو گیا۔ صحیح تیمار داری سے محروم ہونے کی وجہ سے بیماری طول پکڑ کر بھیانک صورت اختیار کر رہی تھی۔ دلی جیسے بڑے شہر میں اُسے انسانی ہمدردی کا دستیاب ہونا بعید از قیاس تھا۔ کالج کے طلباء نے اُسے گھر چلے جانے کا مشورہ دیا۔ اُس کے ساتھی طلبائ اُسے پلیٹ فارم تک چھوڑنے گئے۔ انہوں نے زبانی اظہار ہمدردی کیا جو ریل کی انجن کی کوک کیساتھ فضا میں بکھر گیا۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ریل خراٹے بھرتی جا رہی تھی۔ انوپ کو اپنی دنیا ریل سے بھی زیادہ تیز رفتاری کیساتھ ختم ہوتی معلوم ہو رہی تھی۔

انوپ گھر پہنچا۔ اُسے نمونیا کا شدید حملہ ہوا تھا۔ مینا یہ دیکھ سہم کر رہ گئی۔ وہ سراسیمگی میں ڈوب گئی۔ بوڑھی والدہ کی کمزور آنکھیں آنسوؤں بہانے لگیں مینا طبی امداد کے لئے بھاگی۔ ڈاکٹروں و حکیموں کی امداد چاہی۔ سب نے اپنی قابلیت کو زیر کار لایا۔ لیکن سیاہ بختی دیبال تھی۔ شام تک انوپ کی زبان بند ہو گئی۔ یہ چھوٹا سا گھر بیت الحزن بن گیا۔ زندگی کی اُمید سسکیاں لے رہی تھی۔ مینا کو خدا کی سقاوت پر غصہ آ رہا تھا۔ لیکن کون تھا۔ جو اس کے غصہ کی پرواہ کرتا۔ اس سے قبل وہ اس طاقت غیبی کو نہایت شفیق تصور کرتی تھی۔ لیکن آج ۔ ۔ ۔ ۔ آج صورت دگرگون تھی۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ درگاہ ایزدی کے پیشکار اُس کے سامنے کھڑے اُس سے مذاق کر رہے ہیں وہ اس کی دعاؤں پر پُر اسرار طور پر مسکرا رہے ہیں۔

انوپ نے ایک بار آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔ وہ سکڑ چکی تھیں۔ اُن کی قدرتی چمک میں پھیکا پن آ چکا تھا۔ اُن میں سے حسرت ٹپکتی تھی۔ اُس نے ہاتھ کے اشارہ سے مینا کو قریب تر آنے کو کہا۔ وہ قریب آئی۔ انوپ نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن سروشِ غیب زبان کو قبض کر چکا تھا۔ ایک لمبا سانس آیا اور انوپ نے زندگی کی اذیتوں سے مخلصی حاصل کر لی۔

مینا نے انوپ کے مردہ چہرہ کی طرف دیکھا۔ اُسے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ انوپ تھک کر سو گیا ہے۔ وہ آگے بڑھی ۔ ۔ ۔ ۔ پھر رکی ۔ ۔ ۔ ۔ اُس نے اپنی امیدوں کے خون کو اپنے سامنے مردہ انوپ کی صورت میں دیکھا اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا طوفان بہہ نکلا ۔ ۔ ۔

CC-0 Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

۱۱

اِنسانیت

آغاز کس نے دیکھا ہے؟ انجام کون جانتا ہے۔ دنیا ایک رزمگاہ ہے جسکے اندر انسان جدوجہد میں مشغول ہر دو منازل کی کھوج میں سرگرداں ہے۔ یہاں مختلف الانسان تولد ہوتے ہیں۔ اور مختلف اوقات پر رخصت ہوتے ہیں۔ کوئی ثروت میں بسر اوقات کرتا ہے تو کوئی غربت میں زندگی کے دن کاٹ کر چلا جاتا ہے۔ نہ کسی کے وارد ہونے پر کسی کو قابو ہے نہ چلے جانے میں کسی کی رضا ہے۔ انسان ہر لحاظ سے لاچار ہے۔ لیکن اس لاچاری کے باوجود وہ مغرور اور فاخر ہے۔

یہی وہ انسان ہے جو ہوس ملک گیری میں جنگ و جدال پر اتر آتا ہے۔ زادِ آدم اور اپنے خویش و اقارب کا قتل و خون کرتا ہے۔ ایسے وقتوں پر خونی رشتوں کی منقطع کر کے خون کی ہولی کھیلتا ہے۔ دنیا میں ہیبت پھیلاتا ہے۔ ہلاکت ہتھیاروں کا استعمال عمل میں لا کر کروڑوں بیگناہ انسانوں کو موت سے ہمکنار کرتا ہے۔۔۔ مگر چند ہی دنوں کے بعد خویش یاروں کو چھوڑ کر خود راہی ملک عدم ہوتا ہے۔

یہ انسان حرص و آز کی خاطر اپنا دماغی توازن کھو بیٹھتا ہے۔ دن رات مال و دولت کا شیدا ہو کر بے چین رہتا ہے۔ روپیہ فراہم کرنے کے لئے مختلف ہتھکنڈے استعمال کرتا ہے۔ اپنوں سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔ لیکن حریص نگاہیں سیر نہیں ہوتیں۔۔۔ پھر۔۔۔ سب کچھ یہاں دھرا رہ جاتا ہے۔ آخرش یہ انسان بادلِ نخواستہ بے بس مجبور

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اور لاچار ہو کر دنیا کو خیرباد کہتا ہوا مٹی میں جا ملتا ہے۔

کوئی پنڈت کہلاتا ہے۔ مندر کو ایشور کا گھر جانتا ہے۔ مسجد کو اغیار کا معبد کہتا ہے۔ مذہب کے نام پر کشت و خون کرانا کارِ ثواب سمجھتا ہے۔ اُدھر مولوی مسجد کی آڑ میں بت کدہ کو کفر کا مسکن قرار دیتا ہے۔ اس کا ایمان بت شکنی ہے۔ اس کا مذہب نفرت دشمنی کا حامل ہے۔ کوئی بودھ ہے تو کوئی جین پھر میں عیسائیت کے مبلغ پادری جو گرجا کو خانہ خدا قرار دیتے ہیں۔ وہ دیگر مذاہب کو گمراہوں کا ٹولہ قرار دیتے ہیں۔ اور دیگر مذاہب کے ماننے والوں کو نگاہ حقارت سے دیکھتے ہیں۔

پرشاد اسی اُدھیڑ بن میں آگے بڑھ رہا تھا۔ بازاروں میں کوئی چہل پہل نہ تھی۔ سردی بلا کی پڑ رہی تھی۔ وادی کے گرداگرد پہاڑوں کی قطاریں سفید برفانی چادر میں ملبوس بہت خوبصورت لگتی تھیں۔ وادی کے اندر پانی یخ ہو رہا تھا۔ ہواؤں میں بلا کی خنکی تھی۔ بس سٹینڈ سنسان پڑا تھا۔ کیونکہ بس کو جانے میں ابھی کافی دیر تھی۔ تھوڑی دیر بعد اِکے دُکے لوگ آنے شروع ہو گیا۔ پرشاد بار بار اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کو دیکھتا۔ پھر اس کو کانوں تک لیجاتا۔ اُسے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ شدت سردی کی وجہ سے گھڑی بھی سست رفتار ہو گئی ہے۔

بابو جی۔ آپ کی گھڑی میں کیا بجا ہے؟

یہ ایک نسوانی آواز تھی جس نے پرشاد کو چونکا دیا۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا پچھلی سیٹ پر ایک نوجوان لڑکی آکر بیٹھ گئی تھی۔ ابھرتا ہوا سِن۔ نکھرا ہوا چہرہ۔ بادامی آنکھیں۔ غنچہ سا دہن اور پھر تیکھے تیکھے نقش ایسا جان پڑتا تھا کہ قدرت کے کاریگر نے اس مجسمہ حور کو اپنی فرصت اور یقین کے لمحات میں تراشا ہے۔ پرشاد کی آنکھیں اس کے چہرہ پر گڑ گئیں۔ کچھ دیر اسی عالم میں بیٹھنے کے بعد اُسے اپنی اس

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

دیدہ دلیری و حماقت پر نادم ہو گیا۔ وہ آہستہ سے بولا کہ ابھی گاڑی کے چلنے
پر پندرہ منٹ باقی ہیں۔

شکریہ!

کتنی مٹھاس تھی ان الفاظ میں۔ پرشاد سکتہ کے عالم میں چلا گیا۔ اس کے دل کی دھڑکن سویٹر سے باہر بخوبی آشکارا تھی۔ وہ ایسا محسوس کر رہا تھا کہ کوئی چپکے سے اس کے دل کو باہر نکال دینے کے لئے آگے بڑھ رہا ہے۔

کنڈکٹر نے سیٹی بجائی۔ ڈرائیور کمال بے اعتنائی سے سٹیرنگ پر آ بیٹھا۔ اس نے گاڑی کو سٹارٹ کر دیا۔ گاڑی سٹینڈ سے باہر نکل گئی۔ آگے بڑھی۔ کھلے بازار اور پھر بنگ بازار سب ایک ایک کر کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ بازاروں اور گلیوں میں کئی قسم کے انسان چل پھر رہے تھے۔ وہاں ہر شکل اور ہر مذہب کے انسان تھے مرد تھے۔ عورتیں تھیں۔ کچھ پیر تھے۔ کچھ برنا تھے۔ کچھ قلاش تھے۔ تو کچھ اہل ثروت تھے۔ کوئی داتا تھا۔ تو کوئی گداگر تھا۔ جو خیرات کے سہارے زندگی کی شب و روز کو بسر کر رہے تھے۔ پرشاد ان تمام باتوں سے بے خبر و بے سدھ اُدھر جا رہا تھا۔ جدھر اسے بس لے جا رہی تھی۔ اس گاڑی میں ہندو بھی تھے۔ مسلمان بھی تھے۔ شاید کچھ اور مذاہب کے لوگ بھی تھے۔ پرشاد کے لئے وہ سب انسان تھے۔ اُس سے پرے وہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ اور نہ ہی جاننا چاہتا تھا۔ گاڑی بھی کسی تفریق سے بالا تر سب کو انسان کی منازل کی طرف لے جا رہی تھی۔

گاڑی رکی۔ وہ نوجوان لڑکی اٹھی اور کھڑکی سے اتر کر سڑک پر آ گئی۔ پرشاد نے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا۔ وہ گلی میں داخل ہو چکی تھی۔ گاڑی پھر روانہ ہو گئی۔ پنڈت پرشاد اس گلی کی طرف دیکھتا رہا جس میں وہ داخل ہو چکی تھی۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

گاڑی پھر روانہ ہوگئی۔ چند لمحات پرشاد اس گلی کی طرف دیکھتا رہا جس میں وہ داخل ہوئی تھی
ابھی نئی سینڈلوں کے نشانات اُسے گلی میں پھیلی ہوئی ریت پر پھیلتے اور مٹتے دکھائی دے رہے تھے
یہ تھے اس کی اُمید کے آخری نشانات جو اب قریب المرگ تھے۔ پرشاد اس نازنین کے
چہرے کے تصور کو سینے میں لئے آگے جا رہا تھا۔ اُسے گاڑی کی تیز رفتاری پر غصہ آ رہا تھا
مگر یہ غصہ پنہاں تھا۔ جو لمحہ بہ لمحہ یاس و ناامیدی میں بدل رہا تھا۔ دوسرا بس سٹینڈ آیا
پرشاد کو اسی بس سٹینڈ پر اُترنا تھا۔ وہ نیچے اُترا اور گھر کی راہ لی۔ وہ آج کھویا کھویا
سا تھا۔ نوجوان لڑکی کی تصویر اس کے تصور میں گڑ چکی تھی۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ
اس نے اپنی کوئی قیمتی شے کھو دی ہے۔ لیکن اسکی بازیابی کی اُمید باقی دکھائی دے رہی
تھی۔ یہ شکیبائی تھی کہ بار بار مچھلی کسطرح پھیل رہی تھی۔ جو ماہیگر کے جال سے باہر چھلانگ
لگانے میں ید طولے رکھتی ہو۔ رات کی تاریکی میں ہوا کی سرسراہٹ سے ایسا جان پڑتا تھا کہ
بس سٹینڈ والی لڑکی اُسی کی طرف بڑھتی آ رہی ہے۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اندھیرے میں
دیکھنے کی کوشش کرتا ..... لیکن وہاں سوائے تاریکی اور ہوا کی سرسراہٹ کے تھا ہی
کیا۔ وہ آج شباں شب بنا تھا۔ ... ایسا شباں ..... جو ..... بچھڑے ہوئے کے تصور
میں بڑبڑاتا ہو۔

صبح صادق نمودار ہوئی۔ پرشاد نے رات بھر کے لئے بستر کو خیرباد کہی۔ وہ حسب معمول
دفتر کے لئے تیار ہو کر باہر بس سٹینڈ پر آ گیا۔ مگر آج وہ بس سٹینڈ کے پاس سے گذرنے والے
ہر شخص کو متجسس نگاہوں سے دیکھتا گیا۔ کئی مرد و زن آئے۔ کچھ بس پر سوار ہوئے اور
کچھ آگے چلے۔ انسانوں کا ایک تانتا تھا..... لیکن اس کی اُمیدوں کا مرجع ناپید تھا۔
آخر وہ جگہ یہاں روز گذشتہ لڑکی بس سے اُتر کر گلی میں چلی گئی تھی۔ آگئی۔ یہ
بس سٹینڈ بالکل سنسان تھا۔ پرشاد کے دل میں ایک خلش پیدا ہوئی۔ چاہا کر وہ ڈرائیور

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہوتا۔ لیکن ایسا سوچنا یا خواہش رکھنا عبث ولاحاصل تھا۔ . . . پھر کہا کاش! اگر گاڑی میں کچھ مشینی نقص ہو جائے تاکہ گاڑی چند منٹ اور ٹھہر جائے۔ وہ جانتا تھا کہ یہ سب باتیں اس کی بساط سے باہر تھیں۔ وہ دل کی کوفت اور جلن کس پر ظاہر کرتا۔ اُسے بار بار اپنے آپ پر غصہ آ رہا تھا۔ وہ غصہ کو پی رہا تھا۔ ڈرائیور سے اُسے سراسر نفرت ہو رہی تھی۔ پھر وہ سوچتا کہ ڈرائیور بیچارے کا کیا قصور ہے۔ اس میں اُس نے کبھی اس بے چارے کو ہمراز بنانے کی کوشش نہ کی۔ نہ ہی راز درون اس پر ظاہر کیا۔ وہ تو گاڑی کے انجن سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا ہے۔ وہ بھی ایک مشین ہے جس کا کام لوگوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ تک پہنچانا ہے۔ وہ پیٹ کے لئے روٹی کا محتاج ہے۔ اس دھندے سے اسکی اور اس کے کنبہ کی قسمت وابستہ ہے۔ وہ بس میں سوار سواریوں کی ذاتیات سے بے نیاز سٹیرنگ کو گھماتا جا رہا ہے۔ اُسے قیام کہاں۔ اسکی اپنی زندگی غیر مستقل اور قیام سے بے بہرہ ہے۔

آخری سٹینڈ سامنے دکھائی دیا۔ یہاں ہر قسم کے مرد و زن جمع تھے۔ لیکن پرشاد کو یہاں بھی ناامیدی و مایوسی سے ہمکنار ہونا پڑا۔ وہ رشک حور یہاں بھی موجود نہ تھی۔ پرشاد نے آہ سرد بھری اور دفتر کا رخ کیا۔

پرشاد دفتر کے کمرہ میں اپنی میز پر جا بیٹھا۔ فائیلوں کا انبار اُس کے سامنے تھا۔ یہ ایک انتہائی خشک مضمون تھا۔ بہت سی فائیلوں پر c. ہم لگا تھا۔ اسے اس لفظ سے چڑ تھی۔ ان فائیلوں سے اُسے نفرت تھی۔ لیکن یہ فائیلیں اس کا ان داتا تھیں یہ فائیلیں اس کی ضروریات زندگی کی ضامن تھیں۔ اس کی اور اس کے کنبہ کی احیا کیلئے ان فائیلوں کی موجودگی ضروری تھی۔ اُس نے اُچٹتی ہوئی نظر ان فائیلوں پر ڈالی۔ ان میں لگے ہوئے فلیگ منہ کھولے پرشاد کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اس نے ایک فائیل کو ہاتھ میں لیا۔ غیر ارادی طور پر اس کے اوراق کو پلٹنا شروع کیا . . . . . اس کا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

دل ان فائلوں سے متنفر ہو رہا تھا۔ وہ کھڑکی کے باہر دفتر کی بلڈنگ کیساتھ والی گلی میں گذرنے والے لوگوں کی طرف دیکھنے لگا۔ یہ تمام لوگ آ اور جا رہے تھے۔ ان میں ہر جنس کے افراد تھے۔ پرشاد اس اُمید کے سہارے ان لوگوں کی طرف دیکھنے لگا کہ شاید وہ بھی اپنی لوگوں میں سے برآمد ہو۔۔۔۔ لیکن یہ محض تصوّر تھا۔

دفتر میں لگے کلرک نے چار بجائے۔ دفتر کے بابو اور چپراسی بڑی سرعت کیساتھ کمرہ سے باہر نکل گئے۔ پرشاد بھی مبہوت عالم میں بس سٹینڈ کیطرف دوڑا۔ بس سٹینڈ پر پہنچکر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ جب اُس نے اس لڑکی کو وہاں موجود پایا۔ پرشاد کا دل چاہتا تھا کہ لپک کر اُسے بغلگیر ہو جاوے اس سے پھر کبھی جدا ہونے کا وعدہ لے۔ صاف و غیر مبہم الفاظ میں محبت کا اعتراف کرلے۔ اس سے پیار کی بھیک مانگ لے۔۔۔۔ لیکن چاروں طرف سماج اور مذہب کے ٹھیکدار آنکھیں کھولے کھڑے تھے۔۔۔۔ پرشاد کی لاابالی کو لرزش آئی۔۔۔۔ وہ سنبھلا۔۔۔۔ آگے بڑھا۔

"نمستے"

"نمستے لڑکی نے مسکراتے ہوئے دونوں ہاتھ جوڑ دے"

"آپ کا نام"

"میری"

بس آگئی۔ ہجوم میں حرکت آئی۔ ہر ایک بس کی کھڑکی کی طرف لپکا۔ دھکم پیل شروع ہوئی۔ ہندوستانی تہذیب و ضبط کا مظاہرہ ہونے لگا۔ بس کھچا کھچ بھر گئی۔ کافی لوگ باہر کھڑے رہگئے۔ اس لئے نہیں کہ کنڈکٹر نے مزید سواریاں چڑھانے سے انکار کر دیا۔ بلکہ اس لئے کہ ان لوگوں کے کھڑا رہنے کے لئے بھی نہیں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

میں جگہ نہ رہی۔ حسن اتفاق سمجھئے کہ پرشاد اور میری کو مشترکہ سیٹ مل گئی۔ بس روانہ ہوئی۔ پرشاد میری کے نرم و گرم جسم کا لمس محسوس کر رہا تھا۔ وہ غزالی چشم کچھ دیر تو خاموش بیٹھی رہی۔ لیکن پرشاد نے سکوت کو توڑنے کی کوشش کی۔ اس نے اسطرح سے سلسلہ کلام شروع کیا۔

"آپ کیا کام کرتی ہیں؟"

"میں نرس ہوں"

"آپ کے والدین؟"

میری کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ والدین؟ یہ ایک غمگین یاد تھی۔ وہ تو کب کے قبرستان میں جا چکے تھے۔ وہ بچاری دنیا میں واحد جان تھی۔ کوئی اس کا شریک حال نہ تھا۔ پرشاد نے دیکھا کہ وہ بڑی آزردہ خاطر ہے۔ اور اس کے دل کی دھڑکن غم و اندوہ کے بوجھ تلے دبی جا رہی ہیں اس لئے اس نے جواب پر اصرار کرنے کی بجائے گفتگو کا موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

"آپ کہاں رہتی ہیں"

رستے میں بس اس گلی کے قریب پہنچ گئی۔ یہی وہ بس سٹینڈ تھا۔ میری نے سیٹ پر سے اٹھتے ہوئے انگلی کے اشارہ سے ایک مکان کو دکھایا۔

اس کے بعد اکثر دن میں ایک آدھ بار اسی بس سٹینڈ پر ملاقات ہو جاتی۔ اس روز روز ملاقات نے بے تکلفی کا پہلو اختیار کر لیا۔ اس کے بعد پرشاد کا آنا جانا میری کے مکان پر عام ہونے لگے۔ اس کے ساتھ ساتھ گلی محلہ میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ مذہب کے ٹھیکیدار حرکت میں آنے لگے۔ پرشاد اور میری ان تمام کارروائیوں سے بے بہرہ تھے۔ پرشاد اور میری کے سامنے آئندہ زندگی کا مسئلہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

درپیش تھا۔ ہر دو کے درمیان عہد و پیمان ہو گئے۔ ایک نے دوسرے کو زندگی کا ساتھی بنانے کا حلف لیا بات ہوتے ہوتے پرشاد کے والدین تک پہنچ گئی۔ اس کے ماں باپ نے آسمان سر پر اٹھایا۔ بیٹے کو لعنت و ملامت کی۔ مذہب کا واسطہ دیا۔ اس رشتہ کو اپنی عزت و ناموس کو کاری ضرب قرار دیا۔ پرشاد خاموش ہی رہا۔ یہی بہتر حربہ تھا۔ کیونکہ یہاں دلائل کو دخل حاصل نہ تھا۔ سماج کے ایک طرف فیصلہ کے آگے کسی انسان کی کیا مجال جو سر بھی اٹھا سکتے۔

ادھر میری کے عشق و محبت کے قصے زبان زد عام ہو رہے تھے۔ ہسپتال کی انچارج ڈاکٹر نے میری کو وارننگ دیدی اور نوکری سے برطرف کرنے کی دھمکی دی۔

میری بخوبی جانتی تھی کہ ڈاکٹر خود کس قماش کی عورت ہے۔ وہ کس طرح عصمت فروشی کرتی ہے۔ کون کون لوگ اس کے پاس آتے ہیں۔ وہ کس طرح غریب عوام کی خون پسینہ کی کمائی کو عیاشی میں صرف کرتی ہے۔ اسنے اپنے خاوند کو ایک دن کسطرح ذلیل و خوار کرکے گھر سے باہر نکال دیا تھا ..... ہسپتال میں موجود دوائیاں کسطرح کھلے بازار میں فروخت ہوتی ہیں۔ اس کو پوچھنے والا کوئی نہیں ہے۔ حاکمان وقت اور ناخدایان قوم کیساتھ اس کی گاڑھی چھنتی ہے وہ شراب نوشی کی حد درجہ عادی ہے۔ ہر ماہ کتنے ہی ناجائز حمل اسقاط کرتی ہے۔ اس کا تعلق اعلےٰ سوسائٹی و گھرانوں سے ہے۔ غریب عوام کی پھر کون سنتا ہے یا سنے گا۔ باوجود ایں ہمہ میری ڈاکٹر کی نظروں میں ایک رذیل اور کمینہ عورت تھی۔ جسکا بطور نرس ہسپتال میں رہنا سوسائٹی کیلئے قبیح اور مہلک نتائج کا حامل تصور کیا جا رہا تھا۔

میری نے تمام ماجرا پرشاد سے کہہ سنایا۔ پرشاد پہلے تو سراسیمگی میں چلا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ میری کو تشفی کے طور پر سمجھانے لگا۔ کہ وہ مذہب و سماج کی چیرہ دستیوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔ وہ سماج کے ان ٹھیکیداروں کو خوبی سمجھتا ہے۔ یہ لوگ دن دہاڑے غریب و بے بس دوشیزاؤں کی عصمت کو لوٹتے ہیں۔ مذہب و سماج کے نام پر انسانیت کی ممیت کو خود غرضی۔ بربریت اور اخلاق سوز کارروائیوں کے مرگھٹ میں سپرد آتش کرتے ہیں۔ بعض اوقات خود خدا کو بھی اس تخلیص انسانی پر نادم ہونا پڑتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ انسان کس قدر ناکس۔ بد اندیش۔ موذی۔ غاصب۔ متاہل اور متکبر ہے۔ کئی بار تو وہ اس کی ہستی سے بھی منحرف ہو جاتا ہے۔

میری نے دیکھا کہ پرشاد جذبات کی رو میں بہہ رہا ہے۔ انسان ہوش میں ہوش کھو بیٹھتا ہے۔ لیکن چندے بعد اپنے کئے پر پچھتاتا ہے۔ میری نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ پرشاد کچھ دیر کے لئے خاموشی اختیار کرے۔ تاکہ دنیا کی چہ میگوئیاں قصہ پارینہ بن جاویں۔ اس نے بڑے عجز و انکساری سے پرشاد کو صبر و شکیب کو ہاتھ سے نہ دینے کی تلقین کی۔ اس نے اس بات پر زور دیا کہ وہ مستقبل کی بابت ٹھنڈے دل سے سوچے تاکہ بعد میں خفت نہ اٹھانی پڑے

مذہب نے بڑی آہنی دیوار جوانی کی راہ میں حائل تھی۔ وہ تھا مذہب۔ ایک ہندو تھا۔۔۔۔ دوسری طرف تھی۔۔۔۔ ایک عیسائی لڑکی۔۔۔۔ ہر دو کا میل سماج کی اس دنیا کی نظروں میں معیوب ہی نہیں بلکہ گناہ کبیرہ تھا۔ ایک مشرق کا دلدادہ تھا۔۔۔ تو دوسرا مغرب کا شیدا۔۔۔ ایک ایشور کا پجاری تھا۔۔۔۔ تو دوسری تھی گاڈ کی پرستار۔ ایک کا مرجع مندر تھا تو دوسرے کا قیام گرجا میں تھا۔ یہاں رابطہ کو دخل حاصل نہ تھا۔ وہاں جذبات کی رعایت ناپید تھی۔۔۔۔ بلکہ ہر دو طرف مجنونانہ تعصب تھا۔ جو کسی بھی دلیل کو بالائے طاق رکھکر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کشت و خون میں رفاہیت بنی نوع انسان سمجھتا تھا ..... مذہب اس چیز کے مرتکبان کو ہی علوی کا خطاب دیتا ہے ۔

لیکن ہوا کیا ؟ مذہب و سماج کے ٹھیکیداران کے جذبات کی رو میں وقت کی تیز رفتاری کوئی تعرض پیدا کرنے میں ناکام رہی ۔ ہندو مذہب کے مجاہد و محافظ ایک طرف صف آرا تھے ۔ وہ اپنی مذہبی و سماجی دیواروں کو پرشاد کے بے گناہ خون سے مستحکم کرنے کے درپے تھا ۔ دوسری طرف عیسائیت کے فرومایہ مبلغ میری کی محبت کو سرد مہری کی کند تلوار سے ذبح کر کے مذہب و سماج کے سمارک کو رخصت دینے کی متمنی تھے ۔ یہ تمام ڈرامہ جو ہر دو اطراف سے کھیلا جا رہا تھا ۔ پرشاد اور میری کی مورت میں رخنہ انداز نہ ہو سکا ۔ بلکہ اس میں استقامت کا موجب بن رہا تھا ۔ پرشاد محبت کی قربان گاہ پر اپنا سب کچھ نچھاور کرنے کو تیار بیٹھا تھا ...... ادھر میری کا عزم حتمی اور غیر متزلزل تھا ۔ جو حوادث زمانہ کو سطحی اور خفیف قرار دے رہا تھا ۔

پرشاد ایک شریف زادہ تھا ۔ اس نے کبھی والدین کے سامنے اونچی نظر کر کے بات نہ کی تھی ۔ لیکن حالات سے مجبور ہو کر اس نے والدین کی طرف سے کی گئی ہر قسم کی مخالفت کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کا عزم مصمم کر لیا تھا ۔ والدین کے لئے اس کے دل میں جو بے پناہ عقیدت تھی ۔ وہ دن بدن نفرت و حقارت میں بدل رہی تھی ۔ مہر پدری کے مرمری چشمے سرد مہری کے نذر ہو کر خشک ہو رہے تھے ۔ کیونکہ شفیق والدین نے بھی شقاوت کو اپنا شروع کر دیا تھا ۔ اس طرح شفیق والدین سماج کے بوسیدہ نظام کی بھینٹ ہو رہی تھی ۔ اس شق مذہب و سماج پر عبور پانا ایک آہنی ارادہ کا متحمل تھا ۔

صبح بڑی سہانی تھی ۔ باد نسیم کے مہکے ہوئے جھونکے دماغ کو معطر کئے دیتے تھے ۔ آفتاب عالم تاب بادلوں کی اوٹ میں آنکھ مچولی کر رہا تھا ۔ پرشاد اور میری نے مذہب و سماج کے عارضی بندھنوں سے دور ایک الگ دنیا بسانے کی ٹھان لی تھی ۔ سفر کی تمام ابتدائی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں ۔ پرشاد گھر سے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

گھر سے نکل کر میری کے مکان پر آ گیا تھا۔ وہ اپنے تصفیہ پر ایک بار پھر سوچ وچار کرنیکے لئے بیٹھ گئے۔

" پرشاد سب کچھ بھول جاؤ۔ "

" مطلب ؟ "

" صاف عیاں ہے "

" پھر "

" سماج و مذہب کے ٹھیکیداروں کے آگے جھک جاؤ "

" کیوں ؟ "

" ان کے پاس اتھاہ طاقت ہے ! "

" لیکن بلند ارادوں کے آگے سب کچھ ہیچ ہے "

" بے بس ہو جاؤ گے "

" پرواہ نہیں "

" پھر سوچ لو "

" سوچ لیا ہے "

" والدین اور عزیز و اقارب ؟ "

" یہ سب جھوٹے رشتے ہیں۔ مرکر بھی تو انسان ان کو چھوڑتا ہے۔ "

" بے شک "

" میں پھر کہتی ہوں کہ اس راہ سے ہٹ جاؤ۔ یہ راہ پرخطر ہے۔ "

" پرواہ نہیں۔ میں محبت کی راہ میں زندگی کو موت کے پردہ میں چھپا دونگا "

" مآل کار کیا ہوگا ؟ "

" کیا ہوگا ؟ "

" وہ دیکھو باہر مذہبی مجنون کھڑے ہیں۔ "

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

میری یہ مذہبی دیوار بندی انسان کی اپنی تخلیق ہے ۔ ابتدائی آفرینش سے کوئی نوزائیدہ متنفس مذہب کا ڈپلوما لیکر نہیں آتا ہے ۔ ہر شخص لباس عریانی میں ملبوس اس عالم میں وارد ہوتا ہے ۔ وہ انسان ہے ۔ انسان کی اولاد ہے ۔ اس کے رگ و ریشے میں انسانی خون موجزن ہوتا ہے ۔ پیدائش کے بعد اسی کے لواحقین ہندو ۔ مسلمان ۔ عیسائی سکھ ۔ زرپرست اور دیگر مذاہب کا نام لیوا قرار دیتے ہیں ۔ بچپن کا زمانہ دنیاوی اونچ نیچ سے مبرا ہوتا ہے ۔ حقارت و نفرت جیسے جذبات سے وہ مبرا ہوتا ہے ۔ وہ بچپن کے دوستوں کا انتخاب کرتے وقت کسی مذہبی و سماجی تفریق کو بروئے کار نہیں لاتا ہے ۔ اس کا دل صرف جذبات کے تقدس کو دیکھتا ہے ۔ اس کی دنیا ایک پاک دنیا ہوتی ہے ۔ اس کا دین انسانیت سے پیار و محبت تک محدود ہوتا ہے ۔ ایسی انسانیت جس میں رنگ و نسل کو کوئی دخل حاصل نہیں ہوتا ہے ۔ اس کا نظریہ فراخانہ ہوتا ہے ۔ آہستہ آہستہ وہ گرد و پیش کے حالات سے متاثر ہو کر اپنے آپ کو ایک خاص فرقہ یا مذہب سے منسوب کرنے لگ جاتا ہے ۔ اسے نخوت و منافرت کا سبق دیا جاتا ہے ۔ علماء دین اپنی ثقافت و جہالت کو ان سماجی عارضی دیواروں کے اندر پوشیدہ رکھ کر بنی نوع انسان کے ناصح بن کر اس کو گمراہ کرتے ہیں ۔ وہ اس بھول بھلیاں میں گمراہ ہو کر ان لوگوں کے نقش قدم پر چلنے ہی میں اپنی نجات و مکتی سمجھتے ہیں اور مذہبی جنون میں بنی نوع انسان کے بیگناہ و معصومانہ خون و خرابہ کو کار ثواب جانتے ہیں ۔ وہ اس طرح اپنے آپ کو سورگ و بہشت کے زیادہ قریب پانا چاہتے ہیں ۔ لیکن میں ہرگز . . . . . ہرگز اس متزلزل دیوار کو مضبوط ہونے نہیں دونگا ۔

ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں ۔ کہ گلی میں انسانی اجتماع کی آوازیں سنائی دینے لگیں یہ لوگ بڑے مشتعل معلوم ہوتے تھے ۔ پرشاد متحیر ہو کر کھڑکی کی طرف لپکا ۔ میری کے مکان کو سینکڑوں انسان گھیرے ہوئے تھے ۔ ایک طرف ہندو مذہب کے شیدائی تھے ۔ دوسری طرف عیسائیت کے پیروکار تھے ۔ یہ لوگ کم و بیش مسلح تھے ۔ ہندو عیسائیوں کو برا بھلا کہہ رہے تھے ۔ تو عیسائی ہندوؤں کو . . . . . . یہ لوگ مذہبی تحفظ کے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سے تقاضوں کے پیش نظر خون آشامی پر آمادہ تھے ۔ حالات نہایت نازک صورت اختیار کر چکے تھے ۔ اس اجتماع میں ایک بھی شخص ایسا نہ دکھائی دیتا تھا ۔ جو آگے بڑھ کر ان مذہبی شیدائیوں کو سمجھانے کی جرأت کرتا ۔

میری کی آنکھوں میں آنسوؤں کا طوفان اُمڈ آیا ۔ وہ حیران تھی انسان کی اس وحشیانہ حرکت پر آخر اس کا قصور کیا تھا ۔ وہ محبت کر رہی تھی اور وہ بھی ایک انسان سے کسی درندے سے نہیں ۔ جس نے کہ انسانیت کے نام پر دھبہ لگ رہا ہو ۔ کیا انسان کو انسان سے محبت کرنے کا حق حاصل نہیں ہے ؟ ۔ کیا یہی وہ تہذیب ہے ۔ جس کے لئے انسان اتنا فخر محسوس کرتا ہے ۔ ؟ ۔ کیا یہی انسان کا مذہب ہے ؟ ۔ کہ وہ نفرت و حقارت کے سمارک تیار کر کے قوموں کو خون ریزی پر اُکسائے ۔ کیا بانیان مذہب نے کبھی اس اصول کی تحریک کی ہے ۔ کیا کسی مذہبی کتاب نے اس طریق کار کو اپنانے کی تلقین کی ہے ؟ ۔

میری اور پرشاد کے لئے یہ لمحات بڑے تشویش ناک تھے ۔ اس سے پیشتر وہ مذہبی سلاسل کے پابند تھے ۔ لیکن اب حالات یکسر بدل چکے تھے ۔ پرشاد نے میری کی قدرتی نسوانی کمزوری کو بھانپنے کی خاطر کچھ پوچھنا ضروری سمجھا ۔

"میری اب کیا کرنا ہوگا ؟"

"آپ باہر چلے جائیے ۔"

"کیوں ؟"

"مشتعل ہجوم کے سامنے صاف گوئی سے کام لے کر . . . ."

"کیا معافی مانگ لوں ؟

. . . ."

"نہیں میرا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے ۔"

"میں ان رذیل و گمراہ انسانوں کے سامنے ہرگز جھکنے کو تیار نہیں ۔ میں بارگاہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

عالمی میں اس کی اس تخلیق کو جو اپنے آپ کو اشرف المخلوقات کہلانے میں حق بجانب سمجھتی ہے ۔ کے خلاف ثنا کی ہونگا ۔ اس پہ واضح کروں گا کہ اس تخلیق نے انسانیت سوز کاروائیاں کی ہیں ۔ جن کی موجودگی میں اس کی عظمت کا اعتراف کرنا ۔ سراسر ناانصافی ہے ۔ میرا دل مذبوح انسان کو محقر قرار دیگا "

" لیکن پرشاد آثار اچھے ہیں ۔ یہ لوگ ہمارے خون کے پیاسے دکھائی دیتے ہیں ۔" تو کیا تم آدم کی بیٹی ہو کر ان انسان درندوں کے آگے سر تسلیم خم کروگی؟

" ہرگز نہیں ۔"

" پھر ہو جا تیار ۔ دوزخ کو بہشت میں بدل دے ۔ نفرت و بغض کا استقبال کر کے پیار و محبت کے نغمات سے ارض و سما کو گونجا دے تاکہ آئندہ آنے والی نسلیں تنگ نظریہ تعصب و مذہبی منافرت کو چھوڑ کر ایک عالمی مذہب کی بنیاد رکھیں ۔ جس کا منشاء ہی نوع انسان سے پیار و محبت کرنا ہو ۔ جس مذہب و سماج کی بنیاد انسانیت پر مبنی ہو ۔ آ ۔ تاکہ ہم مذہب و سماج کے اس بوسیدہ ڈھانچہ کو مسمار کر کے اس کی جگہ پیار و محبت کا شاندار محل استوار کردیں . . . . . . ہماری قربانی ایک نہ ایک دن رنگ لائے گی ۔ اس وقت آل آدم کا مذہب اخوت و یکجہتی ہوگا ۔"

" پرشاد ؟"

" ہاں "

" یہ آپ کا آخری و قطعی فیصلہ ہے ۔"

" بلاشک "

میری نے الماری سے زہر کی شیشی نکالی ۔ پہلے خود کچھ زہر پیا ۔ پھر پرشاد کو دیا ۔ تھوڑی دیر بعد دونوں کی آنکھیں پتھرا گئیں ۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

دونوں ایک دوسرے سے ہمکنار ہوئے ۔ ہاتھ میں ہاتھ لئے سکون دیدی کی آغوش میں چلے گئے ۔

مستقل مذہبی شیدائی کافی دیر باہر کھڑے رہے ۔ انہوں نے میری اور پرشاد کو باآواز بلند للکارا .... لیکن وہ دونوں انسانی دسترس سے باہر تھے ۔ مذہب و سماج کے بے بنیاد پابندی اُن کا کچھ بگاڑ نہ سکتی تھیں ۔

ہجوم اندر داخل ہوا ۔ ان کی آنکھوں کے سامنے دو بے حس اجسام پڑے تھے ۔ ان کے چہروں پر پُراسرار مسکراہٹ کھیل رہی تھی ۔ اصل میں یہ مسکراہٹ ۔ انسان کے بغض... کینہ .... فرقہ پرستی ۔ اور مذہبی جنون کا مذاق اُڑا رہی تھی ۔

ختم شد

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

مطبوعہ کاشتن پریس سرینگر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri